۹ر مارچ ۱۹۹۲ء

ندائے خلافت

سُودی معیشت کے خلاف پاکستان کے مختلف شہروں میں تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت کے احتجاجی مظاہرے

آپ کے دروس بذریعہ وڈیو کیسٹ اور میثاق و ندائے خلافت میری روح کے لئے بہتر غذا فراہم کر رہے ہیں۔ آپ کی خدمت اسلام تو قابل تعریف ہی نہیں بلکہ قابل فخر ہے۔ ہم بھٹکے ہوؤں کے لئے مشعل راہ ہیں آپ۔ تحریک خلافت کے لئے مجھ گنہگار کی دعا ہے کہ اللہ قدم قدم پہ کامیابی عطا فرمائے اور تحریک اپنی منزل پر پہنچ جائے تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو صراط مستقیم سے روشناس ہو جائے۔ دعا کیجئے کہ خدا مجھے راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر مستقل مزاجی بھی دے۔ اور میں اپنے خاندان ' عزیزوں' دوستوں میں صراط مستقیم کا پرچار کرتے ہوئے اوروں میں بھی دعوت کا پیغام عام کر سکوں۔ لیکن سب سے پہلے مجھ میں استقلال پیدا ہو سکے تب کی بات ہے۔

ندائے خلافت کا شمارہ نمبر(۳) تو مل گیا ہے مگر دوسرا شمارہ نہیں مل سکا۔ نہ معلوم کیا وجہ ہوئی۔ استدعا ہے کہ وہ شمارہ بھی مجھے بھیج دیں نوازش ہو گی۔ ہمارے نزدیک ہی ایک فلیٹ میں مقیم انکل طاہر قریشی آپ کے درس قرآن کا اہتمام کرتے ہیں۔ تعداد گو کہ قلیل ہوتی ہے مگر محفل میں اللہ کی رحمتیں عام ہوتی ہیں۔

والسلام
عاکف غنی

4-PLACE-DES-VERGERS
95Z40 Garges-les-Gonerses FRANCE

آپ کے ارسال کردہ ندائے خلافت کے ۴ پرچے مل گئے تھے۔ آپ کی خدمت میں یہ تحریر اس لئے روانہ کر رہا ہوں کہ میں دل کا مریض ہوں جس کی وجہ سے کوئی کاروبار نہیں کر سکتا۔ بچوں کے سر پر گھر کا خرچ چل رہا ہے۔ جس کی وجہ سے گھریلو پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا کریں کہ میری پریشانیوں سے اللہ تعالیٰ نجات دیں آمین۔ اس لئے بڑی شرمندگی ہوتی ہے کہ میں ندائے خلافت کا جس میں بڑی قیمتی معلومات ہوتی ہیں' سالانہ چندہ ادا کرنے سے معذور ہوں۔ اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ رسالہ میرے نام نہ بھیج کر مجھے ندامت سے بچائیں۔ باقی میری دعا ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کو اپنے مشن تحریک خلافت میں کامیاب فرمائیں۔ ان کی اس پر خلوص کوشش کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آپ سے التماس ہے کہ میرے لئے بھی دعا کریں۔

محمد افضل
اندرون بوہڑ گیٹ کالے منڈی
مکان نمبر A-8 ر 190 محلہ بدھو باغبان - ملتان

تحریک خلافت پاکستان میں جہاں ایک طرف مظلوم انسانیت کے لئے ایک امید جانفزا کا درجہ رکھتی ہے وہاں اس سے ظلم کے ایوانوں میں تزلزل بھی پیدا ہو رہا ہے۔ حال ہی میں حافظ سعید احمد صاحب جو قرآن اکیڈمی میں شعبہ حفظ کے استاد ہیں' عمرہ کی سعادت حاصل کر کے لوٹے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہاں حرمین شریفین میں ڈاکٹر اسرار احمد کا چرچا زبان زد عام ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے خلافت کا نعرہ لگا کر اپنی جان خطرے میں ڈال دی ہے۔

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

ڈاکٹر صاحب کا جواب اس سلسلے میں بالکل سادہ سا تھا۔ کہتے ہیں کوئی بات نہیں' عمر طبعی پوری کئے بیٹھا ہوں۔ کوئی ہم سے پوچھے کہ اس سادگی نے ہم پر کیا قیامت ڈھا دی ہے۔ حضور آپ نے تو اپنی لو سے چھ سات شمعیں اور بھی روشن کر رکھی ہیں اور مطمئن ہیں کہ تحریک کی راہیں تاریک نہیں ہونے پائیں گی لیکن شمع اولیں سے پروانے ہٹیں گے تبھی تو جانیں گے کہ کوئی اور بھی شمع روشن ہے اور پھر جو لذت جلنے کی آپ نے دی ہے ہم تو اسی سے واقف ہیں۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

اور حافظ صاحب' آپ نے بھی کیا غضب کیا کہ اندیشہ ہائے خوابیدہ کو بیدار کر دیا۔ ہم تو صاعقہ کی چکا چوند سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ آپ نے طوفاں کو بھی خبر دے دی۔

ایہہ اونہاں والے کون پتن وے اکھ ستھیں نہ ملاوندے نے
میتوں تے لگدے چور کوئی تیرے بیلی ایویں صداوندے نے
خش خش کرن تے چتر ہندے نے وڈ وڈ پرنا وندے نے
ویکھیں جاگدا رہیں دے سجنا ستیاں بھاگ سوں جاوندے نے

اور وہ کہ جو بابل تانگ پہ گل گلنار ہو رہے ہیں۔ اللہ کرے ایسے نہ ہوں جیسے وہ تھے کہ کھوئی ہوئی بھیڑیں تلاش کرتے کرتے جا آسمان بیٹھے۔

کوئی ہور صدے تینوں کجھ اندر ایہہ ذکر پروہنیاں دا ہوں سنیا
رنگ تیروی جھوٹھیا لال ہو یا جھڈ راگ سسی ستی بھوں سنیا
ویکھی کہنداسسی دے لیکھ مندے ایہہ قول اجے توں نہوں سنیا
انت عشق دا درداں بھریا ایہہ حکم وی عشق درگاہوں سنیا

کوئی ہور صدے تینوں کجھ اندر ایہہ ذکر پروہنیاں دا ہوں سنیا
رنگ تیروی جھوٹھیا لال ہو یا جھڈ راگ سسی ستی بھوں سنیا
ویکھی کہنداسسی دے لیکھ مندے ایہہ قول اجے توں نہوں
سنیا
انت عشق دا درداں بھریا ایہہ حکم وی عشق درگاہوں سنیا

اور ہم کریں بھی تو کیا۔ کہ بندہ خاکی کو نہ تو خدائی فیصلوں میں دخل ہے اور نہ ہی آہ دل پہ اختیار۔ سو جب وہ قیامت کی گھڑی آئے گی۔ اس کا تصور ہی روح فرسا ہے۔

بھیڑیاں سکھیاں وی کجھ ہوم آکھن میرا کالجہ ڈبدا جاوندا ای
رب نہ کرے توں وچھڑ پویں ڈاہڈا قہر ہجر کماوندا ای
اک سپنا ویکھیا حال ربا ڈاہڈا حشر میدان وکھاوندا ای
وچ تھلاں پنن پنن کوکاں سوہنا مدا نہ مکھ وکھاوندا ای

رحیم حساس - ملتان

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ **ندائے خلافت** لاہور

جلد ۱ شمارہ ۷
۳ر تا ۹ر مارچ ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ر امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ر " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ر " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ر " "

افتتاحیہ

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی!

ان دنوں چونکہ یہاں اسلام اور شریعت کا بہت غلغلہ ہے بلکہ خلافت کے ذکر نے کچھ زیادہ ہی غضب ڈھایا لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم جناب محمد نواز شریف اس فکر میں دبلے ہوئے جاتے ہیں کہ مغرب بالخصوص امریکہ کو کیسے یقین دلایا جائے کہ اسلام سے انہیں کوئی خطرہ نہیں!۔ دوسری طرف ان کے رفقائے کار سردار آصف احمد علی اور سرتاج عزیز وغیرہم کا بس نہیں چلتا ورنہ "قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر، ممکن ہو تو خود اک تازہ شریعت کریں ایجاد"۔ سنا ہے کہ قاہرہ کے جامعہ الازہر سے وہ ایک فتویٰ حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے ہیں جس میں سوال کی شکل کچھ اس طرح کی تھی کہ پاکستان نزع کے عالم میں ہے اور سودی قرضوں کے بغیر اس کے سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے گی چنانچہ قرار دیا گیا کہ یہ تو اضطرار کا عالم ہے، اس میں سود کیا، سور کھانے کی اجازت ہے۔ ان حضرات سے تو شکایت بس اتنی ہے کہ "تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں" البتہ اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر اور شریعت بل کو ایکٹ بنانے والے وزیراعظم سے جواب طلب کیا جانا چاہیے کہ ان کا دل بھی صنم آشنا تھا اور "وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی" انہیں بھی لاحق تھی تو انہوں نے اپنے مسلمان ووٹروں کو اسلام کے نام پر سبز باغ کیوں دکھائے تھے؟۔ پھر عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد انہوں نے کاسہ گدائی توڑ پھینکنے کی بات کی اور خود انحصاری کا نعرہ لگایا تھا تو گویا اپنے ہی وطن مالوف سے تعلق رکھنے والے "کافر ہندی" کے الفاظ میں یہ کہا کہ "لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر، دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور" اور خوب داد پائی لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ "مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود، خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمانی"۔ اب تو ان کا اسلام قصہ ماضی ہوا لگتا ہے اور شاید ان کی زندگی کی راتیں اس کشمکش سے بھی خالی ہیں۔

خوف کہتا ہے کہ "یثرب کی طرف تنہا نہ چل" شوق کہتا ہے کہ "تو مسلم ہے بیباکانہ چل"

ان کا معذرت خواہانہ قول و عمل کس ارادے کا غماز ہے؟۔ یہی ناکہ اسلام کے نام پر کچھ نمائشی کاموں سے اور کچھ ہاتھ کی صفائی سے مکتب و خانقاہ کی خوشنودی حاصل کر کے عاقبت بھی سنوار لیں اور مغرب کے مقامروں کو بھی ناخوش نہ ہونے دیں تاکہ دنیا بھی بنی رہے۔ ان کا یہ خیال کچھ عرصے پہلے بڑی حد تک درست قرار دیا جاسکتا تھا کہ "مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟ خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟" لیکن اب پلوں کے نیچے بہت سا پانی بہہ گیا ہے اور دینی قدروں کا شعور خاصا عام ہوچکا ہے، خام ہے، ناتمام ہے، ہے تو سہی۔ مسلمانان پاکستان کا نیاز اب تک آشنائے ناز تو نہیں ہوا کہ بقول اقبال ان کی نماز تا حال "قیام" سے خالی ہے، لیکن قوم کو قبلہ رو کرنے والوں نے بھی کمر ہمت کس رکھی ہے --- قوم کو کھلونے دے کے بہلانا اب مشکل کام ہوگا۔ وزیراعظم بیٹھے بٹھائے اپنی مشکلات میں اضافہ نہ کریں تو اچھا ہے۔ قوم پر ہی نہیں، ملت پر کڑا وقت ہے اور دین ہی اس کا آخری حصار ثابت ہوسکتا ہے۔ اسے منہدم نہ ہونے دیں۔

دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

ارباب اقتدار اگر سننے پر آمادہ ہوں تو یہ راز کی بات بھی پلے باندھ لیں کہ جس "بنیاد پرستی" سے امریکہ خائف ہے، آپ کی وکالت پاکستان کے مسلمانوں کو اس کے الزام سے بری نہیں کراسکتی۔ یہ مقامر بہت پختہ کار ہیں اور آپ کے ہاتھ کی خامی ایک ایک حرکت سے ٹپکی پڑتی ہے، رنگ لارہی ہے۔ فرنگ کو آپ کی یقین دہانیاں مطمئن نہیں کرسکتیں۔ وہ جانتا ہے کہ مسلمانان پاکستان کی جبینوں کو کسی بھی وقت پیغام سجود مل سکتا ہے۔ وہ لاکھ خدا فریبی یا خود فریبی میں مبتلا رہیں، ان کے لئے خودی کے سرنہاں کو پالینے کا امکان کبھی معدوم نہ ہوگا۔ آیئے نہ خود کو دھوکہ دیں نہ قوم کو اور اپنے رب کے سامنے جھک جائیں، اسی میں ہماری نجات ہے اور اسی کے ذریعے منت این و آں سے ہم چھوٹیں گے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

الھدیٰ

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے ایمان والو' تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جیسے کہ یہ فرض کیا گیا تھا ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے'

(فرضیت صیام کا ذکر سورۃ البقرہ کے رکوع نمبر ۲۳ میں وارد ہوا ہے اور اس ایک رکوع میں روزے کی غرض و غایت' فضیلت ماہ صیام کی اصل بنیاد' روزے سے متعلق فقہی احکام اور روزے کا اصل حاصل' ان تمام مضامین کا کمال جامعیت کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔ اہل عرب کے لئے روزے کی عبادت اگرچہ غیرمانوس تھی لیکن سابقہ شریعتوں میں یہ عبادت کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ چنانچہ بطور ترغیب و تشویق روزے کی فرضیت کے حکم کے ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ اے مسلمانو' تم پر کوئی انوکھی عبادت فرض نہیں کی جارہی' سابقہ رسولوں کی امتوں پر بھی روزہ رکھنا فرض کیا گیا تھا' اس عبادت کو تو ہمیشہ دین و شریعت کے مستقل جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے)

تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو○

(روزے سے اصل مقصود تقویٰ کا حصول ہے۔ یہ ضبط نفس کی تربیت کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ روزے کی حالت میں ایک انسان اپنے آپ کو مرغوبات دنیا سے روک کر رکھتا ہے' وہ جرائم کے ارتکاب ہی سے باز نہیں رہتا بہت سی حلال چیزوں کے استعمال سے بھی رک جاتا ہے۔ گویا روزہ نفس کو کنٹرول میں لانے' اسے حرام خوری سے اور گناہ و معصیت میں ملوث ہونے سے رکے رہنے کی خو ڈالنے کا باعث بنتا ہے اور اسی کا نام تقویٰ ہے)

چند روز ہیں گنتی کے'

(کہ سال کے ۳۶۵ دنوں کے مقابلے میں انتیس یا تیس دن معدودے قلیل کے درجے میں آتے ہیں۔ لہٰذا ہمت کرو اور اس عظیم عبادت کے لئے خود کو پورے طور پر تیار کرو ---- یہاں ان مفسرین کی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے جن کے نزدیک اس رکوع کی ابتدائی دو آیات کا تعلق رمضان کے روزے سے نہیں بلکہ اس ابتدائی حکم سے ہے جس کی رو سے ہر مہینے تین دن روزہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ بعد میں جب رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت کا حکم آیا تو یہ پہلا حکم ساقط ہوگیا اور سال کا ایک مہینہ روزے کی عبادت کے لئے مخصوص ہوگیا)

تو جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے'

(روزہ دار کو یہ سہولت دی گئی ہے کہ وہ اگر بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔ لیکن بعد میں تعداد کا پورا کرنا ضروری ہوگا)

اور جو طاقت نہ رکھتے ہوں روزے کی ان کے ذمے بدلہ ہے ایک فقیر کا کھانا'

(یہ رعایت روزے کے ابتدائی حکم کے ساتھ تھی کہ اگر صحت و عافیت کے باوجود تم روزہ رکھنا نہ چاہو تو بطور بدل ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلادیا کرو ---- بعد میں یہ رعایت ختم کردی گئی)

تو جو کوئی مزید نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو یہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو○

(کہ اگر زیادہ مساکین کو کھانا کھلاؤ یا دو وقت کی بجائے تین یا چار وقت کھانا کھلاؤ تو یہ تمہارے اجر و ثواب میں اضافے کا موجب ہوگا۔ لیکن اگر تم سمجھ اور شعور رکھتے ہو تو جان لو کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے -- اس سے تقویٰ کی جو دولت تمہیں حاصل ہوگی اس کا متبادل اور کوئی چیز نہیں بن سکتی!)

(سورۃ البقرہ آیات ۱۸۳ اور ۱۸۴)

پنجاب کو چھوٹے صوبوں کی بے چینی کا اندازہ نہیں

خطرہ حکومت کو ہے یا ملک و قوم کو؟

فرقہ وارانہ منافرت کی آگ پر قابو پانا ہوگا

عبدالکریم عابد

فرانسیسی سیاح برنیئر نے اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں ترکی' ایران اور ہندوستان کی مسلم حکومتوں کو نہایت قریب سے دیکھا اور اس کا تجزیہ تھا کہ ان حکومتوں کے قیام کا جو سبب ہے وہی ان ملکوں کے زوال و ادبار کا باعث ہو گا۔ برنیر نے بتایا کہ یہ مسلم حکومتیں اس لئے قائم ہیں کہ انہوں نے معاشرہ میں ایسی کوئی طاقت نہیں چھوڑی جو ان کی جگہ لے سکے۔ انہوں نے اپنے اقتدار کے لئے معاشرہ کا بھرکس نکال دیا ہے اور اسے بے دم کر دیا ہے اس لئے یہ قائم ہیں لیکن جونہی ان حکومتوں کی شکست و ریخت کا عمل ظاہر ہو گا ان کا متبادل کوئی نہیں ہو گا سوائے انتشار کے یا غیر ملکی غلامی کے۔

برنیئر کا یہ تجزیہ جس طرح ماضی کی مسلم حکومتوں کے بارے میں صحیح تھا اسی طرح آج کی مسلمان حکومتوں پر بھی صادق آتا ہے۔ عالم اسلام میں ہر جگہ آمر حضرات مضبوط رہے اور معاشرہ کو انہوں نے بے بس اور لاچار بنا دیا۔ یہ آمر اپنی ذاتی طاقت کے سبب بھی حکمراں نہیں تھے' ان کی پشت پر امریکی یا روسی سامراج رہا۔ ان میں سے روسی سامراج کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن امریکی سامراج ابھی باقی ہے اور اس کا حکم ہے کہ اے مسلمانو! آمریت کو چھوڑ کر جمہوریت اختیار کرو۔ یہ حکم ہمارے حکمراں طبقہ کو بہت شاق گزرتا ہے لیکن ناچار جمہوری شو کی کیفیت ہے۔ اکثر جگہ آمروں کی رخصتی عمل میں آئی اور جمہوری عمل کا آغاز کیا گیا ہے لیکن ہر جگہ آغاز ہی میں معاملہ ٹھس ہوتا نظر آتا ہے۔

اس جمہوری بحران کی ایک شکل الجزائر میں سامنے آئی ہے کہ فوج اسلام اور جمہوریت دونوں کے راستے کی رکاوٹ بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ دوسری صورت پاکستان میں نظر آتی ہے کہ فوج نے جمہوری تجربہ اور عمل کو آگے بڑھایا ہے لیکن پھر بھی جمہوریت ڈانوا ڈول نظر آتی ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ طویل عرصہ کی فوجی آمریت نے معاشرہ کے ہر طبقہ کا مزاج ایسا فاسد کر دیا ہے کہ کوئی صحت مند اساس موجود نہیں ہے جس پر جمہوریت ارتقاء کر سکے اور نہ کوئی ایسی جماعت' تنظیم یا قیادت باقی رہ گئی ہے جو جمہوریت کو چلانے کی اہل ہو۔ اس نااہلی کو اہلیت میں جلد از جلد تبدیل نہ کیا گیا تو انجام برا ہو گا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ حکومت چل رہی ہے کیونکہ کسی میں اس کا تختہ الٹنے کی طاقت یا صلاحیت نہیں ہے اور اگر کوئی طاقت اس کا تختہ الٹ سکتی ہے تو ابھی وہ اس کام کو خلاف مصلحت سمجھ کر اس سے گریز کر رہی ہے۔ فوجی جنرلوں کے لئے اقتدار پر قبضہ کرنا پچیس تیس منٹ کا کام ہے لیکن وہ اس کے نتائج اور عواقب کا اندازہ رکھتے ہیں کہ یہ کتنے خطرناک ہوں گے اس لئے اس سے گریز کرتے ہیں۔ چنانچہ حکومت جوں توں چل رہی ہے لیکن یہ ایسی حکومت نہیں ہے جس سے لوگ مطمئن ہوں۔ بے اطمینانی کی آگ ہر صوبہ اور ہر طبقہ میں انتہا پر پہنچ چکی ہے لیکن یہ غیر مطمئن عناصر سیاسی طور پر اپاہج ہیں اور واویلا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔ بظاہر یہ صورت حکومت کے لئے تو اچھی ہے لیکن اصل میں یہی صورت قوم کے لئے بری ہے کیونکہ جو قوم بے چین اور غیر مطمئن ہے مگر اپنے اس عدم اطمینان کو دور کرنے کا راستہ اختیار کرنے پر قادر نہیں' اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔

موجودہ حالات میں ایک غیر مطمئن طبقہ مختلف لسانی گروہوں کا ہے۔ پنجاب میں کوئی لسانی سوچ یا عصبیت نہیں ہے کیونکہ اقتدار ہمیشہ اس کے پاس رہا جس نے پنجاب میں محرومی کی نفسیات کو جنم نہیں دیا لیکن پنجاب اگر آنکھ کھول کر اپنے اردگرد بے چینی کے پکتے ہوئے لاوے کو دیکھے اور محسوس کرے تو وہ یقیناً کانپ اٹھے گا کہ یہ کیا ہو رہا ہے مگر اپنی حال مست اور کھال مست کیفیت میں پنجاب کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ پنجاب کے باہر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ حال ہی میں قومی اسمبلی میں پختون خواہ پارٹی کے رہنما محمود اچکزئی نے قومی اسمبلی میں جس طرح کی تقریر کی ہے' وہ کافی چونکا دینے والی ہے۔ اس تقریر کو بکواس کہا جا سکتا ہے مگر اس بکواس کے پیچھے جو بھڑاس ہے' وہ اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے۔

پختون خواہ لیڈر محمود اچکزئی نے غصے اور نفرت کے ساتھ کہا کہ پنجابی پاکستان کا قبضہ گروپ ہے۔ ہر چیز اس نے اپنے قبضہ میں کر لی ہے اور نئی دستور ساز اسمبلی بنا کر نیا آئین نہیں بنایا جاتا تو یہ پاکستان چلنے والا نہیں۔ محمود اچکزئی نے جو کہا اس سے قطع نظر ایک افغانیس رکنی پختون جرگہ نے جس کا بلوچستان سے تعلق ہے' اسلام آباد پہنچ کر بلوچستان میں علیحدہ پختون صوبہ بنانے کا مطالبہ پیش کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے اس جرگہ نے پریس کانفرنسیں کی ہیں اور اعلیٰ شخصیات سے

ملاقاتیں بھی کیں جن میں صدر اور وزیراعظم بھی شامل ہیں۔ اس جرگہ کے رہنما سینٹ کے رکن عبدالرحیم مندوخیل تھے اور انہوں نے کہا کہ اگر بلوچستان میں پختون صوبہ نہیں بنایا گیا تو ہم کوئٹہ کے سیکرٹریٹ میں کسی بلوچی کو کام کرنے نہیں دیں گے۔ ہم نے زبردست قبائلی خون ریزی روکی ہوئی ہے لیکن زیادہ دنوں تک اسے نہیں روک سکتے، ایک دن بلوچستان میں زبردست دھماکہ ہو گا۔

سینٹ ہی میں سندھ کے ایک رکن اعجاز جتوئی نے کہا کہ اگر سندھ کی یہ صورت حال رہتی ہے تو ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہوں گے کہ سندھیوں کو غلام بنا لیا گیا ہے۔ پھر ہم اپنے حق خود ارادیت کے لئے جنگ کریں گے اور سندھ سے جو بھی قومی اسمبلی یا سینٹ کے اجلاس میں شرکت کرے گا اس کی ٹانگ توڑ دیں گے۔ اسی طرح کی ایک تقریر قومی اسمبلی میں سندھ کے رکن اور پیپلزپارٹی کے جام سیف اللہ خاں دھاریجو نے بھی کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سندھیوں کو انتہا پسند بننے پر مجبور کیا جا رہا ہے، ان کے بنیادی حقوق چھین لئے گئے ہیں اور ایک بدعنوان حکومت کو مرکز نے سندھ پر مسلط کر رکھا ہے۔ ایسی ہی باتیں پنجاب کے فاروق لغاری نے بھی قومی اسمبلی میں کی ہیں کہ سندھ کو ایک مقبوضہ اور مفتوحہ علاقہ کے طور پر چلایا جا رہا ہے اور لوگوں کے احساسات کو کچلا جا رہا ہے۔

فاروق لغاری تو خیر سیاستدان ہیں مگر ایس ایم ظفر دانشور بھی ہیں اور انہوں نے حال ہی میں ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ سندھ اس وقت جس طرح آگ بگولا ہے، اس کا پنجاب کو اندازہ ہی نہیں۔ ایس ایم ظفر لکھتے ہیں کہ کسی بڑے عہدہ پر سندھی نہیں ہے۔ صدر، وزیراعظم، قومی اسمبلی اور سینٹ کے سپیکر، اعلیٰ ججوں اور اعلیٰ افسران میں کوئی سندھی نظر نہیں آتا اور سندھ پر جو حکومت ہے، وہ محض ایک پٹھو حکومت ہے جس کو سندھ کے عوام اپنی حکومت سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ سندھ میں مہاجروں کی صورت حال یہ ہے کہ سٹیل ملز میں پانچ چھ ہزار افراد کی ملازمت سے علیحدگی لسانی عصبیت کو ہوا دینے کا بہانہ بن گئی ہے اور مہاجر قوم کے قائد الطاف حسین لندن سے ٹیلی فون پر فیڈرل بی ایریا کے جلسوں سے خطاب کر رہے ہیں اور وزیراعظم نواز شریف کو لعنت ملامت کر رہے ہیں کہ انہوں نے بھی

اکیسویں صدی تو ابھی دور ہے، ہمارا حال بیسویں صدی کے باقی برسوں میں ہی خراب ہوتا نظر آ رہا ہے۔

بے نظیر کی طرح مہاجروں کو دھوکہ دیا ہے یعنی ایم کیو ایم کے خلاف پھر سازش ہو رہی ہے۔

سندھ اور بلوچستان سے باہر نکل کر سرحد میں دیکھئے تو ولی خاں نعرہ زن ہیں کہ علاقائی اور لسانی قوم پرستی میں بڑی طاقت ہے۔ اس نے روس کی سپرپاور کو توڑ دیا، پاکستان کیا چیز ہے۔ اگر اسے بچانا ہے تو قومیتوں کی بنیاد پر نیا پاکستان بنایئے اور ولی خاں کا یہ ذہن طلبہ میں، وکیلوں میں اور دانشوروں میں فتح مند نظر آتا ہے اور کمال یہ ہے کہ ولی خاں، اجمل خٹک اور غلام احمد بلور اپنے اس ذہن کے ساتھ وزیراعظم نواز شریف کے حلیف بھی ہیں۔ ادھر کشمیر پر نظر ڈالئے تو اپنا ہی جوتا اپنے سر پر نظر آتا ہے۔ لبریشن فرنٹ کے امان اللہ خاں نے ایسی صورت پیدا کر دی ہے کہ آزاد اور خودمختار کشمیر کا نعرہ آگے بڑھ رہا ہے اور کشمیریوں کو پاکستان سے متصادم کرنے کے پورے انتظامات ہو گئے ہیں۔

سرائیکی علاقہ میں بھی آگ لگانے کی کوشش ہوتی رہتی ہے اور کپاس کا بحران ان کوششوں میں مدد فراہم کر رہا ہے لیکن سرائیکی علاقہ کی بے چینی کو فی الحال پیپلزپارٹی کے لیڈروں نے ڈھانپ رکھا ہے تاہم یہ بے چینی بھی کسی وقت ایک لسانی فساد کھڑا کر سکتی ہے۔ پنجاب میں اگرچہ لسانی عصبیت کا مزاج نہیں ہے لیکن یہاں فرقہ واریت کے شعلے نظر آ رہے ہیں اور ان کا دھواں جھنگ سے نکل کر پنجاب پر محیط نظر آتا ہے۔ انجمن سپاہ صحابہ معلوم نہیں کیا چیز ہے لیکن اس نے دیکھتے ہی دیکھتے طاقت حاصل کر لی ہے اور فرقہ واریت کا یہ مسئلہ پنجاب سے لے کر شمالی علاقہ جات تک پھیلا ہوا ہے۔ جو عناصر فرقہ وارانہ سوچ نہیں رکھتے لیکن اسلامی ذہن رکھتے ہیں، ان کی بے چینی بھی کچھ کم نہیں۔ نفاذ اسلام کے سلسلہ میں وہ موجودہ حکومت سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔

پنجاب میں مایوسی اور محرومی کا ایک اور لاوا اقتصادی مسائل کے سلسلہ میں بھی پک رہا ہے بالخصوص تعلیم یافتہ اور نیم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بے روزگاری نے خطرناک شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کا احساس وزیراعظم نواز شریف کو بھی ہے لیکن ان کی معاشی اور صنعتی اصلاحات سے ابھی بے روزگاری کم نہیں ہو گی، بڑھیگی۔ اب تک ہر جگہ اس نوعیت کی اصلاحات نے مہنگائی اور بے روزگاری میں اضافہ ہی کیا ہے کیونکہ حکومت کے بجٹ میں سرکاری محکموں اور کارخانوں کا خسارہ پورا کرنے کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے اور لوگوں کی چھانٹی یا تخفیف کے عمل میں سب سے زیادہ پنجاب متاثر ہو گا کیونکہ سب سے زیادہ حصہ پچھلے ادوار میں اسی نے وصول کیا تھا اور اس کا رد عمل پنجاب میں کافی بے چینی کو ہوا دے گا۔

اس ساری بے چینی میں کوئی ہرج نہیں تھا اگر یہ مثبت طریقے پر رفع ہو سکتی لیکن مثبت پروگرام کسی کے پاس نہیں ہے اور بے چینی سے فائدہ اٹھا کر منفی اور تخریبی جذبات کو ہوا دی جا رہی ہے۔ اس کھیل میں سیاستدان، بیوروکریٹ، صحافی اور دانشور بھی شریک ہیں اور بیرونی ممالک بھی اس بے اطمینانی کو ہوا دینے کے لئے کافی کچھ کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود حکومت مطمئن ہے کہ ہم طاقتور ہیں، کوئی تحریک چلا کر ہمیں ہٹا نہیں سکتا۔ فوج بھی اب مارشل لاء نہیں لگا سکتی اس لئے راوی چین ہی چین لکھتا ہے لیکن یہ خام خیالی ہے۔ حکومت کو فوری خطرہ ہو یا نہ ہو لیکن ملک اور قوم کے لئے اس بے اطمینانی کے سبب خطرہ پیدا ہو گیا ہے اور ہم نے دین دنیا کو سمجھ کر کوئی مناسب انتظام نہ کیا تو بے اطمینانی کے سبب معاشرے میں مایوسی بڑھیگی، مریضانہ ذہن بڑھے گا، باہمی نفرتوں میں اضافہ ہو گا اور اکیسویں صدی کے آنے سے پہلے بیسویں صدی میں ہی ہم دم توڑ جائیں گے۔

ضرورت ہے کہ رہنما مل بیٹھ کر سوچیں کہ ان حالات کا علاج وہ کس طرح کر سکتے ہیں اور اس باہمی غور و فکر کی ابتداء سندھ سے ہونی چاہئے۔ اگر وزیراعظم نواز شریف، محترمہ بے نظیر اور الطاف حسین مل جل کر سندھ میں کوئی بہتر صورت پیدا کر سکیں تو یہ ہماری تقدیر کو اچھی سمت میں بدلنے کا نقطہ آغاز ہو سکتا ہے ورنہ سندھ ہی پاکستان کے لئے ایسا باب الفساد ثابت ہو گا جس کا رفع دفع کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں ہو گا۔ ○○

کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں

"اس ناچیز کا غائبانہ سلام شمع خلافت کے پروانوں کو پہنچا دیں"

ایک خط جو قابل اشاعت نہیں!

پاکستان ۲۳ برس بعد دولخت ہو گیا تھا' اگلے ۲۳ سال گزرنے پر کیا...؟

اقتدار احمد

سونار دیش کے دارالحکومت ڈھاکہ سے امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کو ایک خط ملا ہے' خط کیا یہ تو ایک کتاب کا مسودہ معلوم ہوتا ہے۔ ۲۸ صفحات جن میں باریک الفاظ کو خوبی سے سیدھی سطروں میں پرو دیا گیا ہے لیکن یہ خط قابل اشاعت نہیں۔ اسے پڑھتے ہوئے پسینے چھوٹتے ہیں' جوں کا توں چھاپ دینے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے لہٰذا محض چیدہ چیدہ حصے کاٹ چھانٹ کر ہی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مکتوب نگار جناب امام الدین محمد طٰہ کی اکثر باتیں جتنی سچی ہیں اتنی ہی کڑوی کسیلی بھی' کچھ میں ان کی طبعی شدت احساس اور تلخ تجربات کے نتائج کا بھرپور اظہار ہے اور کچھ غلط یا غلط فہمی پر مشتمل بھی ہیں۔ وہ بھی آخر تو انسان ہیں' خطا سے مبرا نہیں۔ خط کی زبان بھی ذرا روز مرے سے ہٹی ہوئی ہے۔ "میں کوئی باقاعدہ اردو پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔ ٹوٹی پھوٹی تھوڑی بہت جو سیکھ پایا ہے اسی میں آپ کو مخاطب ہوں۔ زبان سے اگر موضوع خط کی ترجمانی میں کسر باقی رہ جائے' تو موضوع کی یکسانیت سے سمجھ لیجئے گا"۔ آیات قرآنی کا استعمال اتنا بے ساختہ اور اس کثرت سے ہے کہ تقریباً ہر جملے کا آغاز یا اختتام ہم مضمون آیت کے کسی ٹکڑے پر ہوتا ہے یا کوئی آیت ان کے موقف پر حرف آخر کے طور پر بطور لاحقہ چسپاں ہے۔ خط پر ۲۵ ر جنوری ۱۹۹۲ء کی تاریخ درج ہے۔

"محترم بھائی اسرار احمد صاحب' السلام علیکم و علی عباد اللہ الصالحین و رحمت اللہ و برکاتہ ۔ آپ کی دعوت خلافت پر بنگلہ دیش سے اس انجان فرد کا مبارکباد قبول کیجئے" سے خط کا آغاز ہوا اور خاتمہ اس پر کہ "خلق الانسان ضعیفا' اپنا اپنا ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ کا انسان واقعی کمزور ہے۔ قدوقامت میں میں ان سے بھی کمزور تر ہوں۔ اس پر مزید آج کل میری طبیعت ناساز جا رہی ہے۔ اس ناسازی طبیعت کے باوجود میری ہمت ایمان اور فہم معانی قرآن ملکوت السموات و الارض سے تنگ و کمتر کسی حدود کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کی اولوالعزمی سے ماحول سے بے نیاز ہو کر آواز کو بلند کرتے جایئے' رفتار کو تیز کرتے جایئے۔ فطرت اللہ التی فطرالناس علیہا۔ حوادث زمانہ انسان کو دین فطرت کی طرف لوٹنے پر مجبور کرتے آ رہے ہیں۔ خلافت عالیہ اس کی آخری مشکل ہو گی۔ اس ناچیز کا غائبانہ سلام شمع خلافت کے پروانوں کو پہنچا دیں اور بندہ کو دعاؤں میں شریک کریں تو ممنون ہوں گا و آخر دعوانا ...... الی یوم الدین۔ اخوکم فی مسیرۃ خلافت اللہ فی الارض"۔

امام الدین محمد طٰہ صاحب عالم دین تو ہیں ہی' دین کے درد میں بھی ماہی بے آب کی طرح تڑپتے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ شاید 'مولوی' مولانا کہلانا پسند نہ کرتے ہوں کہ اپنے خط میں علماء کو بہت کھری کھری سنائی ہیں لیکن ہم اختصار کی غرض سے انہیں مولانا ہی لکھیں گے' اصطلاحی معنوں میں نہیں حقیقی مفہوم میں۔ تو صاحب! مولانا کا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے تعارف کا ذریعہ "ندا" بنا تھا۔ "دو سال پہلے پنڈی میں جنرل راؤ فرمان علی اور لاہور میں جنرل مظفر اور دیگر دیرینہ دوستوں سے ملنے پاکستان گیا تھا۔ وہاں ایک سال میں جریدوں کی ورق گردانی کے وقت ندا کا ایک نسخہ خرید لایا تھا۔ ڈھاکہ واپس آ کر ندا کا ظاہر مطالعہ کیا اور باطن کو باطن سے تحلیل کیا اور یہی اسرار احمد سے تعارف کا سر ہے۔ بعد میں اس وقت پاکستان میں مقیم پروفیسر غلام اعظم کا چچا مرحوم شفیق الاسلام کو ندا کی باقاعدہ خریداری کی فرمائش کیا تھا۔ بھائی صلاح الدین کی تکبیر بھی مل رہی ہے۔ ندا کے ذریعے پاکسان کا اسلامی رجحانات اور تکبیر کے ذریعے مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کا افسوسناک دجل کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے میں آتا۔ میاں طفیل کی باتوں سے جہاں جماعت کی مرحوم روح کے بقیہ جو تھوڑا بہت محسوس ہوتا ہے' وہاں قاضی حسین احمد کے بے روح و بے جان باتیں اسے مٹا دیتی ہیں۔ بنگلا دیش میں مسلم لیگی لعنت ختم ہو چکی ہے۔ آسیب زادہ جماعت اسلامی کی سیاسی تماشہ بنگلا دیش میں صحیح اسلامی تحریک کی راہ میں سب سے زیادہ رکاوٹ اور مانع ہے۔ یہ اسلام کی طرف جھکاؤ اور میلان رکھنے والے نوجوانوں میں سوء ادبی اور فاشزم کا وبا اتنی بری طرح پھیلا رہی ہے کہ اللہ کی پناہ"۔

"ندا" میں مولانا نے ڈاکٹر اسرار صاحب کی تقاریر پڑھی ہیں جن کے ابتدائی حصے میں سے یہ خاکسار ان آیات قرآنی کو حذف کر دیا کرتا تھا جن پر ڈاکٹر صاحب اپنے خطاب کی بنیاد رکھتے تھے۔ درمیان میں آنے والی درجنوں آیات قرآنی اور

احادیث مبارکہ کو بھی کمپوزنگ کی مشکل کے باعث چھوڑنا پڑتا تھا۔ مولانا نے ڈاکٹر صاحب کا کوئی کیسٹ نہیں سنا' نہ کوئی درس قرآن ان تک پہنچا ہے جس سے انہیں معلوم ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب نے تو بات شروع ہی دعوت رجوع الی القرآن سے کی اور درس قرآن ہی ان کی دعوت کا واحد ذریعہ رہا ہے بلکہ تنظیم اسلامی کا بنیادی لٹریچر ہی خود قرآن حکیم ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ "آپ سے پہلی شکایت آپ کے خلاف یہ ہے کہ آپ رجوع الی القرآن کی دعوت دے رہے ہیں۔ چاہئے کہ آپ قرآن اور صرف قرآن ہی کے حوالے سے اپنی بات کا آغاز کریں' اندرون بیان بھی محور قرآن پر چلے اور ختم بھی قرآن ہی سے ہو" لیکن انہوں نے خیال نہ فرمایا کہ مخاطب کو متاثر کرنے کے لئے مروجہ انداز بیان اختیار کرنے میں حکمت ہے۔ اس زبان میں کہی ہوئی بات زیادہ کارگر ہوتی ہے جسے سننے والا سمجھنے میں آسانی محسوس کرے اور وہ اشعار اسے چونکا دیتے ہیں جن کو وہ سن تو چکا ہو لیکن ان کے اس مفہوم سے آشنا نہ ہو جو کہنے والے نے نکال کر دکھایا ہو۔ خیر القرون میں اسی اسلوب زبان و بیان کا سکہ رواں تھا جو قرآن اور صاحب قرآنؐ نے اختیار کیا اور فصاحت و بلاغت ہی سامعین کے دلوں کے تار چھیڑتی تھی جس کا شاہکار آیات قرآنی اور حضورؐ کے جوامع الکلم ہیں۔ لیکن مولانا کہتے ہیں "مگر آپ کی بات تو کسی طرح ایک آدھ آیت قرآنی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد روح قرآنی سے ہٹ کر عقلیات' نقلیات اور تجربات حاوی ہو کر منہج قرآن سے ادھر ادھر ہاتھ پیر مارنے لگ جاتی۔ آپ سے عرض ہے کہ زیادہ زیادہ آیات قرآنیہ' اصطلاحات قرآنیہ اور ایک آیت کو دوسری آیت سے جوڑ کر مفہوم کو سامعین کے ذہن میں قرآن ہی کے محور میں متلاطم ہونے دیں"۔

مولانا کے جد امجد جہاد بالا کوٹ میں شریک تھے۔ پشتوں سے ان کے بزرگ قرآن پڑھنے پڑھانے میں مصروف ہیں۔ "اسی ورثے اور ذاتی محنت' طلب اور جنون نے ایک ادنیٰ طالب قرآن بنایا اور جو طالب قرآن ہوتا ہے' دنیاوی زندگی میں خلافت اللہ کے ماحول کے بغیر اس کا چین سے جینا ناقابل تصور ہے"۔ ان کے مرحوم والد کو پاکستان کی شکل میں احیائے خلافت کا امکان نظر آیا تو تحریک پاکستان میں اور پھر قرارداد مقاصد پاس ہونے تک سرگرم عمل رہے لیکن پھر جب شاہینوں کی "پرورش اور افزائش نسل" کے لئے عالم وجود میں آنے والے پاکستان پر "زاغوں کا تسلط" ہو گیا تو مایوس ہو کر بیٹھ رہے۔ وہ خود ۱۹۷۱ء کے سانحہ سے بد دل ہو کر ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ وہاں نو سال قیام کیا۔ "آنجہانی فیصل نے وہاں کا پاسپورٹ دیا تھا" اور یہ وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جس کے لئے لوگ بیس بیس تیس تیس سال پاپڑ بیلتے ہیں اور حاصل نہیں کر پاتے لیکن مولانا وہاں بھی نہ ٹک سکے "مگر ملت ابراہیمیؑ و سنت محمدیؐ کے متلاشی کو اگر غلاف کعبہ کے اندر ابولہب اور ابوجہل سے بد تر کفر و الحاد بلکہ نمرودی شرک' فرعونی استبداد' قارونی دولت کا گھمنڈ اور ابولہب و ابو جہلی جاہلیت سب کا مجموعہ ملے تو وہ کیسے وہاں رہ سکتا؟۔ میرے ساتھ بھی وہی ہوا۔ ۹ سال مکہ و مدینہ کا طواف کرا کے جنون نے سید مکی و مدنیؐ سے زیارت نصیب کرا دیا۔ یہ متاع لے کر پھر ہجرت ثانیہ کر کے بنگلا دیش آیا"۔

بنگلا دیش واپس پہنچ کر انہوں نے پھر خلافت کا علم بلند کرنے کا سوچا۔ "میدان و ماحول کو آزمانے کے لئے اپنا ایک بزرگ رشتہ دار مرحوم حافظ جی حضور کو خلافت کا ایک پرچم دے کر اذان جدید بلند کرایا تھا" لیکن بات نہ بنی اور یہ دعوت مدرسوں میں مقید ہو کر رہ گئی اور "وہاں ہماری درس گاہیں' خواہ وہ مادی تعلیم کا ہوں یا نام نہاد دینی و مذہبی مدارس ہوں ...... اس راہ میں سب سے بڑے مانع ہیں"۔ حافظ جی حضور کو دعوت خلافت کی "خدائی کشش" کے باعث بڑی پذیرائی ملی اور لوگ لاکھوں کی تعداد میں ان کے جلسوں میں جب سیلاب کی طرح آنے لگے تو وہ اس وسوسہ کا شکار ہو گئے کہ مخلوق خدا خود ان کی طرف رجوع کر رہی ہے چنانچہ مولانا نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ "آخر معمر بزرگ انتقال کر گئے اور مولوی حضرات بوریا بستر سمیٹ کر ہوا و منتشر ہو گئے"۔ ڈاکٹر اسرار صاحب کو نصیحت فرماتے ہیں "آپ کو ذرا تفصیل سے یہ واقعہ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ خلافت اللہ فی الارض کے لئے داعیوں کو احبار و رہبان سے تعلیمات قرآن کے رو سے بچ کر چلنا ہو گا۔ علماء کی قیادت میں خلافت کا تصور ہی خلاف فطرت ہے"۔

مولانا کے خط میں ایک لرزا دینے والی دعید بھی پائی جاتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسوہ رسولؐ پر اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ۲۳ سال کی مہلت فراہم کی تھی کہ اگر ۱۹۴۷ء کے بعد ۲۳ سال تک بھی پاکستان "کج کلاہوں کی قیادت سے پاک" نہیں ہو گا تو یہ ملک بکھر جائے گا۔ سقوط ڈھاکہ کا حادثہ گزرے بھی "دوسرا ۲۳ سال ختم ہونے کو ہے مگر یہ قوم پہلے سے بھی گئی گزری ہے"۔ کیا ۱۹۹۴ء کے لگ بھگ ہمیں پہلے سے بھی کڑی کوئی سزا ملنے والی ہے؟۔ العیاذ باللہ !۔

اکل کھرے مولانا نے خلافت راشدہ کی روشن تاریخ کا ذکر چند فصیح و بلیغ جملوں میں کرنے کے بعد لکھا ہے "اس کے بعد سے اموی' عباسی' فاطمی اور تاتاری عثمانیوں کی حکومتیں چادر خلافت کے چور نقاب پوش عرب و غیر عرب فساق کی مستبد حکومتیں تھیں۔ ان کی ان حکومتوں کو جو خلافت اسلامیہ تصور کرے گا' اس دنیا میں اعادہ خلافت کی تحریک کے لئے وہ سب سے زیادہ نااہل ہوں گے"۔ پھر بہت سی ناقابل اشاعت باتیں لکھ کر جو غلط تو نہیں لیکن انتہا پسندی اور شدت احساس پر دلالت کرتی ہیں' فرماتے ہیں کہ "دنیا میں دوبارہ اور آخری مرتبہ خلافت قائم کرنے والے صحیح معنی میں رجوع الی القرآن کرنے والے ہوں گے۔ ان کے رجوع الی القرآن میں غیر قرآن کی پیوندیں نہیں ہوں گی۔ وہ سردست سبعہ من الثانی سورہ فاتحہ پر اپنے امیر کے ہاتھ بیعت کریں گے"۔ انہیں قرآن مجید سے اتنا زیادہ شغف ہے کہ سیرت مطہرہ اور حدیث رسولؐ میں غوطہ زن ہونے کی فرصت نہیں پاتے جہاں بیعت کے فلسفے بلکہ آج کے حالات سے حد درجہ مطابقت رکھنے والی بیعت امیر کے الفاظ تک ملتے ہیں۔ اس تفصیلی لائحہ عمل کو نظر انداز کر کے "سردست" قسم کے انتظام سے کام کیوں چلایا جائے!۔

فاضل مکتوب نگار کے نزدیک موجودہ پاکستان ملک خدا داد نہیں رہا' دھوکے کی ٹٹی بن گیا ہے۔ "برصغیر کے مجددین دین کی قیادت اور افکار پر چلنے والی تحریکیں مسلمانوں کے لئے ایک کفر و الحاد سے پاک خطہ ارض کے لئے تھیں" لیکن "اس کی قیادت نے اپنی قوم اور دنیا کے دیگر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جو پاکستان کی طرف ملت اسلامیہ کی صحیح قیادت کے لئے آس لگا کر دیکھ رہے تھے"۔ "۱۹۷۱ء میں جب بنگلہ دیش بنے اور مشرقی پاکستان

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

کراچی میں پہلی خلافت کانفرنس اور سود کے خلاف مظاہرہ

کوئی آندھی ہمارے بال و پر اڑا نہ لے جائے

نجیب صدیقی

۲۲ر فروری بروز ہفتہ ملک بھر میں جہاں جہاں تنظیم اسلامی کو افرادی قوت میسر ہے' وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی حمایت اور سودی نظام کے خلاف پر امن اور منظم مظاہرے کئے گئے تھے اور کراچی میں بھی اس کا اہتمام کیا گیا۔ اگرچہ چار ہی دن بعد یعنی ۲۶ر کو خلافت کانفرنس کے زیر عنوان ہونے والے جلسہ عام کی تیاری نے تنظیم اسلامی کے رفقاء اور تحریک خلافت پاکستان کے فعال معاونین کو پہلے ہی مصروف رکھا ہوا تھا تاہم مرکز کی ہدایت کی تعمیل میں جب ناظم حلقہ جناب نسیم الدین نے مقامی رفقاء کو طلب کیا تو مظاہرے کا پروگرام ترتیب دینے میں بھی انہوں نے انشراح صدر کے ساتھ تعاون کیا اور ذمہ داریاں قبول کرنے میں کسی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

ایک نقشہ کار کے مطابق ناظم حلقہ سندھ نے مظاہرے کے لئے ناظمین مقرر کئے' اور طے پایا کہ ہفتہ کے دن ایک بجے مسجد خضراء میں جمع ہو جائیں۔ ناظم حلقہ نے ہدایت دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس ہوں اور ٹوپی کا اہتمام فرمائیں۔ مظاہرے کے دوران عوام کے کسی سوال کا جواب نہ دیں بلکہ اپنے ناظم یا امیر کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہیں۔ آپس میں غیر ضروری باتوں سے احتراز کریں' مظاہرہ کے دوران اذکار مسنونہ کا ورد رکھیں اور رفقاء کو جس جگہ کے لئے متعین کیا جائے اسے اپنی مرضی سے تبدیل نہ کریں' مظاہرہ کے دوران ہر معاملے میں اپنے ناظم کے حکم کی تعمیل کریں۔

تمام رفقاء نے بھی اس مہم میں ناظم حلقہ کی صدا پر لبیک کہا اور ۲۲ فروری ٹھیک ایک بجے دن ظہر کی نماز کے لئے مسجد خضراء میں جمع ہو گئے۔ رفقاء کی تعداد دیکھ کر ناظم حلقہ مسرور نظر آ رہے تھے۔ بات بھی صحیح ہے' فوجوں کو چوکس دیکھ کر سپہ سالار کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ ناظم حلقہ نے تمام افراد کو تین گروپوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروپ جس کے ناظم جناب عبدالطیف کھوکھر صاحب تھے' ریگل چوک صدر کی طرف روانہ ہوا۔ دوسرے گروپ نے جس کے ناظم جناب اختر ندیم صاحب تھے' شاہین کمپلیکس آئی ۔ آئی ۔ چندریگر روڈ کی طرف مارچ کیا اور تیسرا گروپ جس کے ناظم جناب نوید احمد صاحب تھے عید گاہ چورنگی ایم ۔ اے جناح روڈ کے لئے متعین ہوا۔ اس طرح یہ تین بڑے گروپ تین سمتوں میں ٹی بورڈ اٹھائے ہوئے جن پر مختلف عبارات درج تھیں' انتہائی خاموشی کے ساتھ اپنے رب کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اور اس کے احکام کی تنفیذ کو یقینی بنانے کے لئے سوئے ہوئے عوام الناس کو جگانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ٹی بورڈوں پر لکھی ہوئی عبارتیں لوگوں کے ضمیر پر کوڑا بن کر برس رہی تھیں' انہیں جھنجھوڑ رہی تھیں' انہیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلا رہی تھیں۔ یہ تینوں گروپ اپنے مقررہ مقام پر اس ترتیب سے کھڑے ہو گئے جیسے "تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ"۔ یہ نظم' یہ ڈسپلن' یہ انداز دیکھ کر ٹرک پر بیٹھے ہوئے پولیس والے زیر لب مسکرا رہے تھے---- کون لوگ ہیں یہ؟ کیسا مظاہرہ ہے یہ جس میں نہ نعرے ہیں نہ ہڑ بونگ ہے' نہ پتھر ہیں نہ ڈنڈے ہیں۔ عموماً مظاہروں کے بعد فضا میں آنسو گیس یا بارود کی مہک رچ بس جاتی ہے اور سڑکوں پر پتھروں کے ڈھیر نظر آتے ہیں لیکن یہ مظاہرہ اپنی نوعیت کا عجیب تھا کہ اپنے پیچھے بہت سے سوالیہ نشان چھوڑ گیا۔

ناظم حلقہ نے تینوں جگہوں کا دورہ کیا اور ہدایات دیں۔ بعض جگہ ترتیب میں تبدیلی کی' مظاہرہ کے دوران چند رفقاء ہینڈ بل تقسیم کر رہے تھے تاکہ لوگ ان مظاہروں کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں اور انہیں سوچنے کا موقع ملے کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔ ظہر سے عصر تک بھرپور مظاہرہ کے بعد پھر مسجد خضراء میں تینوں گروپ جمع ہوئے اور نماز عصر ادا کی' عصر کے بعد پریس کلب جانے کا پروگرام تھا لہٰذا ترتیب کے ساتھ دو لمبی قطاروں میں ٹی بورڈ اور بینر اٹھائے ہوئے اللہ کے سپاہی ناظم حلقہ کی قیادت میں روانہ ہوئے۔ پریس کلب کے باہر قطار اندر قطار کھڑے ہو گئے' گزرنے والا اگر سر جھکا کر گزر جائے تو اسے معلوم نہ ہو کہ یہاں اتنے افراد کھڑے ہیں جو چاہیں تو بڑی سے بڑی عمارت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔

چار افراد پر مشتمل ایک نمائندہ وفد ناظم حلقہ کی سربراہی میں پریس کلب کے صدر کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک یاد داشت پیش کی جس میں صحافی برادری سے درخواست کی گئی تھی کہ اس جدوجہد میں حق کا ساتھ دیں اور اپنے قلم و قرطاس کو عوام الناس میں زیادہ سے زیادہ آگاہی پیدا کرنے کے لئے استعمال کریں۔ اپنے قلم کی طاقت کو حق کی حمایت میں صرف کریں۔ یاداشت کے جواب میں پریس کلب کے صدر نے شکریہ ادا کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ ناظم حلقہ نے پریس کے لئے بھی ایک بیان جاری کیا۔ تمام شرکائے مظاہرہ پھر اسی ترتیب کے ساتھ مسجد خضراء واپس پہنچے اور ناظم حلقہ نے پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا۔

KARACHI: Members of Tanzeem-i-Islami staged a rally near Shaheen Complex at the junction of I. I. Chundrigar Road on Saturday. They were carrying placards inscribed with demands for the abolition of usury. — Dawn photo.

جب سے تحریک خلافت شروع ہوئی ہے پاکستان کے مختلف شہروں میں چھوٹے بڑے جلسے منعقد کئے جا چکے ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ عوام الناس کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے' انہیں اس بات کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ قیام خلافت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ ان کی دینی ذمہ داری بھی ہے اور دنیا کے مسائل سے نجات کا واحد راستہ بھی۔ اس سے قبل کراچی میں بھرپور عوامی جلسہ منعقد کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے مگر کبھی دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہو گیا اور کبھی حالات نے اجازت نہ دی حالانکہ دوسری جماعتیں پابندی قانون کی کب پرواہ کرتی ہیں' ان کے جلسے ان حالات میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔

اس مرتبہ طے کیا گیا کہ کسی بند جگہ پر جلسہ کیا جائے تاکہ قانون کا اطلاق نہ ہو سکے۔ جگہ کشادہ ہو اور وسط شہر میں بھی ہو چنانچہ اریو کلب کا انتخاب ہوا جس کے وسیع احاطے میں ایک بڑا پنڈال نصب کیا گیا جس میں بیٹھنے والوں کے لئے تقریباً دو ہزار نشستیں رکھی گئیں۔ یہ کلب گلشن اقبال میں نیپا چورنگی سے متصل ہے۔ وقت عشاء کے بعد کا تھا تاکہ لوگ اطمینان سے جلسہ گاہ پہنچ جائیں۔ جلسہ کا جو پنڈال بنایا گیا تھا وہ وسیع و عریض ہونے اور اس میں کرسیوں کی خوبصورت ترتیب سے عجیب سماں پیدا کر رہا تھا۔ پھر برقی قمقموں کی ترتیب مزید بہار دکھا رہی تھی۔ پنڈال کی ایک جانب خواتین کے لئے شامیانے اور قناتیں لگائی گئیں تھیں' ایک طرف مکتبہ موجود تھا اور اس کے قریب تحریک خلافت کے متعلق معلوماتی لٹریچر مفت فراہم کیا جا رہا تھا۔ وہاں جو لوگ قیام خلافت کے لئے معاونت کا فارم پر کر رہے تھے ان کے نام اور پتے کمپیوٹر کے ذریعہ محفوظ کئے جا رہے تھے۔

شام ہی سے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں حالانکہ دن میں گرمی محسوس کی جا رہی تھی۔ تنظیم اسلامی کے کارکنوں اور معاونین خلافت کے سینوں پر تحریک خلافت کے بیج آویزاں تھے' ایک پروقار جوش و خروش نظر آ رہا تھا۔ عشاء سے قبل ہی لوگوں کی آمد شروع ہو گئی اس لئے عشاء کی نماز کلب کے دوسرے بڑے لان میں باجماعت ادا کی گئی۔ یہ پروقار تقریب سپاسناموں اور مدح سرائی کے ہر دوسرے انداز سے خالی تھی۔ خلافت کانفرنس کا انعقاد تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کی طرف سے ہو رہا تھا اس لئے اس کی صدارت جناب نسیم الدین صاحب ناظم حلقہ سندھ نے کی۔ اسٹیج پر تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ دوسری کرسی داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے لئے تھی جس پر وہ تشریف فرما تھے' تیسری کرسی ناظم تحریک خلافت پاکستان جناب عبدالرزاق صاحب کے لئے تھی جس پر وہ فروکش ہوئے۔ ناظم حلقہ سندھ ہی جو جلسہ کے صدر بھی تھے' اسٹیج سیکرٹری کے بھی فرائض انجام دے رہے

تنظیم اسلامی کے کارکن ایم آر کیانی روڈ پر سودی نظام کے خلاف مظاہرہ کر رہے ہیں۔ تصویر جسارت

تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کے کارکنان صدر میں احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں۔

تھے۔ آپ نے روایتی انداز سے ہٹ کر جناب اسد الرحمن فاروقی صاحب کو درس قرآن کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا کہ اس تحریک اور تنظیم کا تانا بانا قرآن مجید ہے اس لئے ہم محض تبرک کے طور پر تلاوت سے اس کانفرنس کا آغاز نہیں کر رہے ہیں بلکہ باقاعدہ درس قرآن سے اس کا افتتاح ہو رہا ہے۔

اسد الرحمن فاروقی صاحب نے سورۃ **الصف** کی بعض آیات کا درس دیا اور انتہائی جامع اور مختصر ---- اتنے کم وقت میں پورا پیغام بھی پہنچا دیا اور اپنی بات بھی مکمل کر لی اس کے بعد جناب نوید احمد صاحب کو دعوت خطاب دی گئی ۔ انہوں نے بھی وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات میں اختصار سے کام لیا تاکہ داعی خلافت کو بات کرنے کے لئے پورا وقت مل جائے۔ پنڈال میں بیٹھے ہوئے سامعین بھی داعی تحریک کو سننے کے لئے بیتاب تھے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور داعی تحریک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے اپنی بات کا آغاز کیا۔ آپ نے حضورؐ کی وہ پیشین گوئی سنائی جس میں پانچ ادوار کا ذکر تھا' اس پیش گوئی کے مطابق پانچویں دور کا آغاز ہوا چاہتا ہے اس سے قبل جن ابتلاؤں سے یہ امت دو چار ہونے والی ہے' اس کا ذکر بھی تفصیل سے کیا پھر عالمی حالات کے تناظر میں وہ تمام خطرات بیان کئے جس کے امکان سے کوئی اہل نظر انکار نہیں کر سکتا بلکہ دیکھنے والے تو دو اور دو چار کی طرح دیکھ رہے ہیں۔ عظیم تر اسرائیل اور امریکہ بہادر کی ریشہ دوانیاں پھر ہماری کم کوشی اور نادانی اللہ کی رحمت کا سہارا پکڑنے کی بجائے اس کے غضب کو دعوت دینے کی جسارت ' ان تمام باتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ سامنے سے آنے والی ان تمام آفات کو دیکھ کر تو اہل پاکستان کو لرز جانا چاہئے مگر ہمارا حال یہ ہے کہ اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں جس نے ہمیں بیمار کیا۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ اللہ پر سے ہمارا ایمان اٹھ گیا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو ہمیں تباہی سے کون بچا سکتا ہے؟۔

تباہی سے بچنے کی واحد صورت سب سے کٹ کر اللہ سے جڑنا ہے۔ یہ جب تک نہ ہو گا ہم ہمیشہ آفات کی آندھیوں کے زد میں رہیں گے۔ کیا پتہ کوئی ایسی شدید آندھی آئے جو ہمارے بال و پر تک نہ اڑا لے جائے۔ داعی تحریک نے کہا کہ دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ہمیں بھی چوکس اور چوکنا رہتے ہوئے حالات کو اس کے صحیح تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ پاکستان جس مقصد کے لئے بنا تھا اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے تن من دھن لگانا ایک ایک فرد کا کام ہے اور وہ مقصد ہے نظام خلافت کا قیام۔ اس کے قیام کے لئے داعی تحریک نے چار نکاتی لائحہ عمل پیش کیا۔ اس سے قبل آپ نے ان دس نکات کی تشریح کی جو خلافت کے قیام کے بعد روبہ محل آئیں گے۔ ایک ایک نکتہ کی آپ نے تفصیل بیان کی۔

آپ کی یہ تقریر دو گھنٹے سے زیادہ پر محیط تھی' تقریر کے اختتام پر آپ نے سامعین کو اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی ' اور دعا کے بعد جلسہ اختتام کو پہنچا۔

Demonstrations held against usury

By Our Staff Reporter

KARACHI, Feb 22: Members of Tanzeem-i-Islami, Sindh, on Saturday held demonstrations on various busy squares in the city against usury.

They were holding banners and placards inscribed with slogans and quotations to create awareness among the masses about the evils of interest.

Terming usury the worst sin, a pamphlet issued by the party, led by Dr Israr Ahmed, reminded the people that this system amounted to a war against God and his Prophet (PBUH).

The pamphlet distributed on this occasion asked the people to get rid of usury to meet the challenges of the New World Order of the US based on a Jewish system which had monopolised the world economy.

سُود کا لین دین بند کیا جائے تنظیم اسلامی کے خاموش مظاہرے

(نوائے وقت کراچی)

سود کے خاتمہ کیلئے ملک بھر میں تنظیم اسلامی کے پرامن مظاہرے

سود کا لین دین زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے حکومت شریعت عدالت کا فیصلہ نافذ کرے نسیم الدین

کراچی (پ ر) تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام ہفتہ کو ملک کے تمام بڑے شہروں میں وفاقی شریعت عدالت کے سود کے خاتمہ کیلئے تاریخ ساز فیصلوں کی حمایت میں خاموش اور پرامن مظاہرے ہوئے اور ارباب اقتدار کو متنبہ کیا گیا کہ ملت اسلامیہ پاکستان اس معاملے میں کسی نوع کی گریز کی پالیسی 'لیت و لعل کی روش یا حیلے بہانوں کو کسی طور پر برداشت نہیں کرے گی۔ تنظیم اسلامی کے کارکنوں نے کراچی میں ریگل چوک ' پرانی نمائش ' مولوی مسافر خانہ روڈ اور ایم آر کیانی روڈ / ڈاکٹر ضیاء الدین روڈ اور چند دیگر روڈ پر مظاہرے کئے۔ وہ پلے کارڈز اٹھائے ہوئے تھے جن پر نعرے درج تھے کہ سودی نظام ختم کرو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بند کرو۔ بعد ازاں کارکنان جلوس کی صورت میں کراچی پریس کلب گئے جہاں سید نسیم الدین ناظم تنظیم اسلامی سندھ نے پریس کلب کے صدر کو ایک یادداشت پیش کی جس میں صحافی برادری سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ انسداد سود کی کوششوں میں معاونت کریں۔ اس موقع پر ایک بیان میں سید نسیم الدین نے کہا کہ دین اسلام کی رو سے پوری نوع انسانی کا سب سے بڑا اور ناقابل معافی جرم شرک ہے البتہ معاشی سطح پر مدعیان ایمان کے لئے سب سے بڑا جرم و گناہ سود کا لین دین ہے۔ اس کے ارتکاب پر قرآن حکیم میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ کی وعید آئی ہے۔ جبکہ دوسرے گناہ کبیرہ کے ارتکاب مثلاً زنا' شراب نوشی' فحاشی' چوری' ڈاکہ جیسے کبائر کے بارے میں ایسی سخت وعید نہیں آئی ہے۔ انہوں نے حکمرانوں سے اپیل کی کہ وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کو نافذ کریں۔

ہم اگر عرض کریں گے تو...

نظام خلافت میں حکومت کیسے وجود میں آئے گی؟

ڈاکٹر اسرار احمد گول مول باتوں سے ملک کے فہیم عناصر کو کیسے مطمئن کریں!

عمر مختار

"ندائے خلافت" کے ایک گزشتہ شمارے میں امیر تنظیم اسلامی اور داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک تقریر رپورٹ ہوئی جس میں نظام خلافت کے سیاسی پہلوؤں اور حکومت سازی یعنی خلیفہ اور پارلیمینٹ یا مجلس شوریٰ کے انتخاب پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے بغیر کسی ادعا کے انہوں نے کہا تھا کہ روح عصر کے تقاضوں کے مطابق اس مرحلے کو مسلمانوں کے ووٹوں کے ذریعے ہی طے کیا جانا چاہیے جس کا مطلب یہ ہے کہ امید وار بھی سامنے آئیں گے جن کی صلاحیت اور اہلیت کی جانچ پرکھ کا کوئی انتظام بھی ہوگا۔ فاضل مقرر نے فتوے کی زبان استعمال کئے بغیر(جس کے وہ عادی نہیں اور برملا کہتے ہیں کہ اس کی اہلیت کا انہیں دعویٰ بھی نہیں) کہا تھا کہ امیدواری کوئی ایسی حرام چیز نہیں جس کے باعث جدید انتخابی نظام کو یکسر مسترد کردیا جائے۔ اس تقریر کی رپورٹ پر پرچے کو مرتب کرنے والوں نے شاید صحافتی ضرورت کے تحت ایک عنوان یہ بھی جمادیا تھا کہ " امیدواری کو اسلام میں حرام کس نے قرار دیا؟" جبکہ پورے متن میں یہ فقرہ خود مقرر سے کہیں منسوب نہیں کیا گیا۔

اس عنوان کو ہمارے محترم مولانا سید وصی مظہر ندوی صاحب نے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کیا اور اپنے جریدے "فروغ" حیدر آباد میں ایک طویل مقالہ شائع کیا ہے جس کا ذیلی عنوان ہے" امید واری کو جائز قرار دینے کے فتوے کا جائزہ " ۔ محترم مولانا ڈاکٹر صاحب کو ذاتی طور پر بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور ان کا دل یہ گواہی بھی دے گا کہ زندگی بھر انہوں نے کبھی کوئی فتویٰ نہیں دیا ۔ خیر یہ سرخی بھی صحافتی ضرورت ہوگی تاہم چار سوا چار صفحات پر پھیلے ہوئے اس مقالے میں ڈاکٹر صاحب کو نامزد نہ کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی ۔ "تحریک خلافت کو عنوان بنا کر کام کرنے والے ایک انتہائی متحرک رہنما" کو کبھی ہمارے محترم رہنما لکھا کبھی مجتہد رہنمااور کبھی ہمارے معزز رہنما' نہ لکھا تو اسرار احمد ہی نہ لکھا ۔ کیا مولانا اپنے کثیر الاشاعت ہفت روزے کے ذریعے اپنے اس "محترم رہنما" کی "مشہوری" میں اضافے کے جرم میں شرکت سے دامن بچانا چاہتے تھے؟۔

ڈاکٹر صاحب کی بات دہرانے کے بعد مولانا نے لکھا کہ "لیکن اس سے پہلے کہ میں امید واری کی حرمت یا جواز کے دلائل کے بارے میں کچھ عرض کروں مسئلہ زیر بحث کے بارے میں یہ واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بعض شرائط کے ساتھ مخصوص حالات میں تو ہر حرام حلال ہوجاتا ہے حتیٰ کہ اضطراری حالت میں کلمہ کفر کہنے کی بھی اجازت ہے ۔ اصل زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ کیا امید واری اسی طرح مباح الاصل ہے جس طرح دیگر مباحات ہیں یا یہ کہ امید واری اصلا تو حرام ہے مگر مخصوص حالات میں ضرورتا اسکو گوارا کیا جاسکتا ہے یا بعض حالات میں امید وار بن کر سامنے آنا لازمی دینی ضرورت بن جاتا ہے" اور پھر ان پانچ اقسام کی فہرست دی ہے جس میں شریعت نے انسانی اعمال کی درجہ بندی کی ہے ۔ یعنی واجب ' مندوب ' مباح ' حرام اور مکروہ ۔ تاہم مزے کی بات یہ ہے کہ اس پوری لمبی چوڑی تحریر سے قاری کو بس یہی معلوم نہیں ہوتا کہ خود مولانا ندوی نے امید واری کو ان میں سے کس کھاتے میں ڈالا ہے!۔

ڈاکٹر صاحب نے تو اپنی تقریر میں فقہ کی زبان میں بات نہیں کی تھی چنانچہ یہ تو کہا کہ حرام نہیں لیکن یہ نہیں بتایا کہ مندرجہ بالا پانچ اقسام میں سے کس کے تحت آتا ہے البتہ مولانا ما شاء اللہ عالم فاضل ہیں ' ان پر یہ تصریح"واجب" تھی ۔ تو آخر انہوں نے طویل بحث کے بعد جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ " مذکورہ بالا تمام احادیث پر نظرڈالئے جن کی روایت سات سے زائد صحابہ نے کی ہے ان کے علاوہ بے شمار صحابہ تابعین اور ائمہ کا عملی نمونہ ہے کہ وہ امارت (حکومت کی ذمہ داری) سے بھاگتے تھے۔

کیا ان تمام احادیث اور قرآنی استنباط سے "امید واری" کا مباح ہونا ظاہر ہوتا ہے کہ ہم اپنے سیاسی نظام کی اساس " امید واری" کے نظام پر قائم کریں کیا ان واضح دلائل کی موجودگی میں رہنمائے موصوف کی اس رائے کی کوئی گنجائش ہے کہ " اب جو نظام خلافت سامنے آئے گا تو امید وار بھی سامنے آئیں گے"--- تو اس سے کوئی کیا سمجھے؟۔ امید واری "مباح" ہے یا "حرام"؟۔ صرف عموی طور پر ناپسندیدہ ہے اور خاص حالات میں اس کی اجازت ہوگی یا بالکل ممنوع ہے؟۔

پھر مقالے کی ابتداء میں جو شورا شوری تھی وہ اختتام تک پہنچتے پہنچتے اس بے نمکی میں بدل گئی ہے کہ "میں تسلیم کرتا ہوں کہ "بالغ رائے دہی" کے رائج اصول سے اب پیچھے ہٹنا عملاً ممکن نہیں ہے اور یہ بھی درست ہے کہ رائے

دہندگان کے سامنے جب تک ایک سے زائد افراد نمائندگی کے لئے سامنے نہ آئیں وہ زیادہ بہتر نمائندے منتخب نہیں کرسکتے۔ ان دونوں تقاضوں کو بیک وقت کیسے پورا کیا جائے؟۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب اجتہادی بصیرت کا طالب ہے"۔

آپ اپنی اجتہادی بصیرت ضرور استعمال کیجئے ' یہ وقت کی ضرورت ہے لیکن جو مجتہد ہونے کے دعویدار نہیں ' ان کی بات پر بھی غور کر لینے میں تو چنداں حرج نہیں ۔ ان کی دلیل سے بھی اجتہاد میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

مولانا کو زیادہ تکلیف "روح عصر" نے دی ہے ۔ روح دین کو روح عصر کے ساتھ جوڑنے کا جو مشورہ ڈاکٹر اسرار احمد دیتے ہیں ' وہ انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا ۔ فرماتے ہیں "ہمارے محترم رہنما نے قالب مسلم میں دو روحیں داخل کرنے کا عجیب نظریہ پیش کیا ہے" ۔ تاہم جن لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ تقریر کی رپورٹ پڑھی ہے ' انہوں نے خوب سمجھ لیا تھا کہ روح دین اور روح عصر سے مقرر کی مراد کیا تھی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جب اسلام اس دور جدید میں نافذ و غالب ہوگا تو وہ روح دین اور روح عصر کا حسین ترین امتزاج ہوگا کیونکہ شارع سبحانہ و تعالیٰ اور شارح صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی اجتماعیت کے کچھ گوشوں پر تفصیلی احکامات اگر نہیں دئے اور صرف رہنما اصول عطا کرنے پر اکتفا کی تو اس میں حکمت یہی تھی کہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے ارتقاء کے ساتھ ان اصولوں کو شریعت کے عمومی مزاج کے مطابق تفصیلات کے نقوش و نگار سے مزین کر لیا جایا کرے گا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جن پہلوؤں پر قرآن و سنت کی نصوص سے تقریباً پوری جزئیات حاصل ہوجاتی ہیں یعنی اوامر و نواہی کا باب مکمل کردیا گیا ہے ' ان پر ہماری قیل و قال کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ۔ البتہ مباحات کا میدان کھلا ہے اور اس میں غور و فکر کے دروازے بند کر کے ہم کسی اور کا نہیں ' اپنا ہی نقصان کریں گے ۔

آئین نو سے ڈرنا ' طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اب ذرا موجودہ انتخابی عمل میں امید واری کی حرمت و حلت کا یہ دلچسپ پس منظر بھی ایک نظر دیکھ لیجئے کہ دیکھنے کی چیز ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے ذہن سے یہ بات یقیناً محو نہیں ہوسکتی کہ صوبائی الیکشن پنجاب ۱۹۵۱ء کی انتخابی مہم میں جماعت اسلامی نے بہانگ دہل اعلان کیا تھا کہ "امید واری حرام ہے" اور "پارٹی ٹکٹ ایک لعنت ہے" ۔ پھر بعد میں انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ خود جماعت میں امید واری سب سے زیادہ مرغوب حلال چیزوں میں شامل ہوئی اور پارٹی ٹکٹ کے لئے خود صالحین نے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچیں اور اپنے اپنے حق میں بالائے زمین اور زیر زمین مہمات سر کیں تو انہوں نے بہت پہلے بحیثیت رکن جماعت خود جماعت کی جائزہ کمیٹی کے روبرو اپنے تفصیلی بیان میں اس طرح کی بات کہی تھی کہ امید واری بحالات موجودہ بری بات نظری آتی ہے لیکن اسے مطلق حرام قرار دینے میں تو جماعت نے تشدد ہی سے کام لیا تھا تاہم بعد میں اس سلسلے میں جو طرز عمل اختیار کیا گیا اس پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دینے کے خدائی اختیار میں مداخلت کا سنگین الزام صادق آتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی جسارت ہے ۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا ندوی بھی اس زمانے میں لگ بھگ انہیں خیالات کے حامل تھے اور دونوں اس وقت جماعت کے اسی شجر سے وابستہ تھے۔

اور ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب تو اب بھی وہی بات کہہ کر مولانا ندوی کی سرزنش کے سزا وار بن رہے ہیں جبکہ عملاً پچھلے ۴۵ سال میں انہوں نے کسی بھی سطح کا کوئی ایک بھی الیکشن نہ لڑا ' امید واری اور پارٹی ٹکٹ کا سوال ہی کیا--- لیکن مولانا ندوی ہیں کہ امید واری کے نام پر آگ بگولا ہو رہے ہیں بعد اس کے کہ انہوں نے میونسپل کارپوریشن کی کونسلری سے لے کر میئر کے عہدے تک اور پھر قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کی منزل ہفت خواں طے کرنے میں امید واری اور پارٹی ٹکٹ کے سب مرحلے پورے ذوق و شوق سے عبور کئے۔ کامرانیاں بھی دیکھیں اور ناکامیاں بھی ' حتیٰ کہ زر ضمانت تک ضبط

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

KT KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

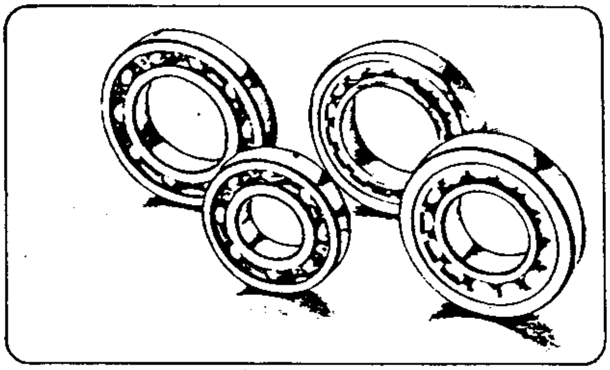

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) — Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000, Ph : 54169

GUJRANWALA : — 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ہم پس ماندگان کو درس جمہوریت کیوں دیا گیا!

پاکستان میں مغربی جمہوریت

علامہ شہزادہ لطیف طاہر

جو شخص دین اسلام کے بنیادی مقاصد کا شعور رکھتا ہے اور تھوڑی بہت سیاسی بصیرت کا حامل بھی ہے اس کے ذہن میں یہ سوال ضرور کھٹکتا ہے کہ جدید جمہوریت اور اسلام آپس میں ہم آہنگ ہیں، مختلف نظریہ فکر رکھتے ہیں یا ایک دوسرے سے بالکل متضاد و متصادم ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں یہ بات مد نظر رکھنی ہوگی کہ یہ جمہوریت ہمارے ہاں مغرب سے در آمد ہوئی ہے اور بد قسمتی سے گذشتہ ایک صدی میں جدید یورپی نظریات نے ہمارے ذہنوں میں اس قدر نفوذ کرلیا ہے کہ ہم ہر اچھائی اور برائی کو انہی در آمد شدہ نظریات کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں۔

مشہور ہے کہ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی کے گوئرنگ نے کہا تھا کہ اگر جھوٹ کو تواتر اور تسلسل سے بولا جائے تو سچ نظر آنے لگتا ہے اور یہ بہت بڑی حقیقت ہے۔ کوئی شخص ایک ہی بات ہر روز ریڈیو اور ٹی وی پر بار بار سنتا رہے، اخبارات بھی اسی کے تبصروں سے بھرے ہوں، بازار میں اسی موضوع پر کتابیں بکھری پڑی ہوں اور حد یہ کہ بچوں کے نصاب تعلیم میں بھی وہی بات شامل ہو تو یقیناً لوگوں کے ذہن اسے حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہوجائیں گے۔ جدید سائنس نے اسی نظریہ کے تحت برین واشنگ سسٹم ایجاد کیا۔ گذشتہ جنگ عظیم میں جرمنی اور روس میں یہ طریقہ جنگی قیدیوں پر اس طرح آزمایا گیا کہ انہیں بند کمرے میں تیز روشنی کے ساتھ باندھ کر بٹھا دیا جاتا اور نازی ازم یا کمیونزم سے متعلقہ ریکارڈ اتنی بلند آواز سے بجائے جاتے کہ ان کے کانوں کے پردے پھٹنے لگتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ایک مدت کے بعد انہیں آزاد کیا جاتا تو وہ لاشعوری طور پر وہی جملے دہرانے لگتے جنہیں صدہا بار سن چکے ہوتے تھے۔ یہ معاملہ صرف جنگی قیدیوں تک محدود نہ رہا بلکہ اب سفید فام قومیں ذرائع ابلاغ کو باقاعدگی سے دوسری قوموں کی برین واشنگ کے لئے استعمال کررہی ہیں۔

مثال کے طور پر امریکہ جرائم کا اکھاڑا بنا ہوا ہے، صرف زنا بالجبر کے وہاں ہر روز تقریباً اڑھائی ہزار واقعات پیش آتے ہیں۔ قتل، ڈکیتی اور رہزنی کے واقعات ان کے علاوہ کثرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہاں کی سیاحت کرنے والے بتاتے ہیں کہ امریکہ کے "مہذب ترین شہر" نیویارک میں بیشتر علاقے ایسے ہیں جہاں سے جیب اور جان بچا کر گزر جانے والا مبارک باد کا مستحق ٹھہرتا ہے لیکن پراپیگنڈہ یہ ہے کہ وہاں ہر طرف قانون کی حکمرانی ہے اور سب اچھا ہے اور یہ پراپیگنڈہ اتنے زور شور سے کیا جاتا ہے کہ ہم نے یہاں بیٹھے امریکی معاشرے کو دنیا کا مثالی معاشرہ مان لیا ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب میں کوئی شخص اتنی جرات بھی نہیں کرتا کہ راستے میں گری ہوئی چیز اس نیت سے اٹھالے کہ اسے تھانے تک پہنچا دے گا۔ بایں ہمہ ہمارا پڑھا لکھا طبقہ عموماً یہ کہتا سنائی دیتا ہے کہ وہاں بڑی سنگدلانہ سزائیں دی جاتی ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ وہاں جرم ہوتا ہی کب ہے جس پر سزاء کی نوبت آئے۔ لیکن "مہذب دنیا" چونکہ سعودی عرب کے خلاف ہماری برین واشنگ کرتی رہتی ہے لہٰذا ہم امریکہ کو مہذب اور سعودی عرب کو غیر مہذب کہنے لگے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا جدید جمہوریت کو اسلام سے ہم آہنگ کہنا کسی قسم کی برین واشنگ کی وجہ سے ہے یا فی الواقع ہم نے حکومتی امور میں صحیح اسلامی روح کو پہچان کر جدید جمہوریت کے بنیادی مقاصد اور اس کے طریق کار کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے؟۔ آئیے پہلے اس جدید طرز حکومت کے بارے میں کب، کیوں اور کیسے پر ایک طائرانہ نظر ڈال لیں۔ یورپ میں سب سے پہلے فرانس میں اس جمہوریت کی بنیاد رکھی گئی جب ایک انقلاب کے ذریعے بادشاہت ختم کرکے جمہوری حکومت قائم کی گئی۔ انہی ایام میں شمالی امریکہ میں یورپی باشندے آباد ہوچکے تھے۔ وہ ابتدا برطانوی حکومت کے ماتحت تھے پھر انہوں نے آزادی حاصل کرلی تو مختلف الذہن لوگوں کے لئے کسی ایک شخص کو بادشاہ، تسلیم کرنا ممکن نہ تھا تب ایک مخصوص طبقہ نے موقع مناسب دیکھ کر وہاں بھی جمہوریت کا نظریہ ذہنوں میں ڈال دیا۔ بعد ازاں دوسرے ملکوں میں اس کی تقلید ہوتی گئی تا آنکہ بیسویں صدی کی ابتدائی دو دہائیوں تک سارے یورپ نے اس طرز حکومت کو اپنا لیا۔

دریں اثناء یورپ اور شمالی امریکہ کے سوا ساری دنیا دو صدیوں تک یورپی اقوام کی غلامی میں رہی لیکن انہیں معلوم تھا کہ بالآخر یہ تسلط ختم ہوجائے گا اور یہ تمام ملک آزاد ہوجائیں گے۔ وہ بوجوہ چاہتے تھے کہ آزادی کے بعد ان تمام ملکوں میں جمہوریت ہی کا دور دورہ رہے چنانچہ اسی دورانیہ میں انہوں نے غلام قوموں میں جمہوریت کی تربیت شروع کردی تھی۔ برصغیر میں بھی جب ان کی گرفت مکمل طور پر مضبوط ہوگئی تو خود انہی کے ایماء پر یہاں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی اور عوام میں یہ تاثر پیدا کیا گیا کہ حقوق حاصل کرنے کے لئے اس پلیٹ فارم سے جو آواز بلند ہوگی حکومت اسے سننے پر مجبور ہوجائے گی۔ کانگریس اگرچہ حکومتی ادارہ نہ تھی لیکن اس کا ڈھانچہ جمہوریت ہی کے طریقے پر استوار کیا گیا۔ یعنی پہلے رکن سازی، پھر ارکان کے ووٹوں کے ذریعے نچلی سطح سے صدر تک کا انتخاب۔ یہ جمہوریت کے عملی نفاذ کی طرف پہلا قدم تھا۔

بعد ازاں کانگریس کی تقلید میں دوسری سیاسی جماعتیں تشکیل دینے کی حوصلہ افزائی کی گئی جس سے سینکڑوں مزید جماعتیں معرض وجود میں آنے لگیں۔ علاوہ ازیں عوامی نمائندگی کے بہانے صوبائی اور مرکزی اسمبلیاں بنادی گئیں۔ شہروں میں عوامی رائے شماری سے میونسپل کمیٹیاں اور

کارپوریشنیں بنا کر مقامی امور ان کے سپرد کردیے گئے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد وحید یہی تھا کہ عوام کو جمہوریت کی عملی تربیت دی جائے اور ہندو پاک کی پوری آبادی کی اس طرح برین واشنگ کی جائے کہ جمہوریت کے سوا حکومت کے تمام نظام ان کے ذہنوں سے محو ہوجائیں تاکہ جب یہ ملک آزاد ہو تو یہاں لازمی طور پر جمہوری طرز حکومت ہی رواج پائے۔ لیکن ظاہر یہی کیا گیا کہ اس طرح عوام میں سیاسی شعور پیدا کیا جارہا ہے حالانکہ سیاسی شعور یہاں پہلے بھی موجود تھا بلکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھنے میں آچکا تھا۔

یہاں یہ سوال ذہن میں ضرور ابھرتا ہے کہ آخر انگریزی حکومت کو اس میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی کہ ان کے جانے کے بعد برصغیر میں کون سا نظام حکومت عمل میں آتا ہے۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے

لیکن یہ حقیقت ہے کہ انگریز حکمران مابعد کی جمہوری حکومت کے لئے بڑی شدت سے کوشاں تھے اور نہ صرف ہندوپاک میں بلکہ ساری یورپی اقوام پوری دنیا میں یہ نظام رائج کرنے کی شدید خواہش مند تھیں۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ فی الحال اس موضوع کی بات ہوتی ہے کہ آخر کار وہ وقت آگیا جب دوسری جنگ عظیم کے بعد تمام مقبوضہ ملک ایک ایک کرکے یورپ کے تسلط سے آزاد ہوگئے۔ ان میں پاکستان بھی شامل تھا جو ۱۹۴۷ء میں معرض وجود میں آیا۔ اس وقت ہمارے حالات یہ تھے کہ یہاں جمہوری حکومت کا قیام ناگزیر تھا۔ جس کی ایک وجہ تو اوپر بیان کی جاچکی ہے کہ یہاں کے عوام کو جمہوریت کی عملی ٹریننگ دی جاچکی تھی' علاوہ ازیں نصاب تعلیم میں بھی اسی طرز حکومت کی تدریس کی جاتی رہی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر ملکی حکومت سے گلو خلاصی کے لئے بھی مسلم لیگ ہی کام آئی جس کی ترتیب بھی جمہوری انداز میں کی گئی تھی۔ انتقال اقتدار بھی انہیں نمائندوں کے نام ہوا جنہیں ۱۹۴۶ء میں جمہوری انتخابات کے طریقہ پر چنا گیا تھا۔ اس طرح وقتی طور پر پاکستان میں جمہوری حکومت قائم ہوگئی۔

پاکستان کی پہلی حکومت جمہوری نظام کے تحت عمل میں آگئی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن عوام کی طاقت کے سہارے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا' ان کے ذہنوں میں یقین کی حد تک یہ بات موجود تھی کہ اس ملک میں جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا جارہا ہے' خالص اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے گا اور یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ کچھ مسلم لیگی رہنماؤں کے دل عوام کے دلوں کے ساتھ ہی دھڑکتے تھے۔ وہ بھی یہاں اسلامی نظام نافذ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے' یہ اور بات ہے کہ اسلامی نظام کے خطوط ابھی ذہنوں میں واضح نہیں تھے۔ تاہم مسلم لیگ ہی میں ایسے رہنماؤں کی اکثریت غالب تھی جو جدید یورپی نظریات سے اس حد تک متاثر تھے کہ ان کے اذہان جدید جمہوریت سے الگ ہو کر کچھ بھی سوچنے سے قاصر تھے۔ اگر وہ اسلامی نظام کے بارے میں سوچتے بھی تھے تو ان کا تصور یہی تھا کہ سارا طریق کار تو جمہوری رہے گا البتہ قوانین سازی اسلامی فقہ کے مطابق کرلی جائے گی۔

مسلم لیگی رہنماؤں میں علامہ اقبال اور قائداعظم کے نام سرفہرست ہیں۔ علامہ اقبال نہ صرف اسلام کے شیدائی تھے بلکہ دین اسلام کی گہرائیوں سے مکمل آگاہی بھی رکھتے تھے۔ وہ پاکستان کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد جانتے تھے اور انہی جذبات کے تحت انہوں نے اس مملکت خدا داد کا تصور پیش کیا تھا۔ قائداعظم اگرچہ دینی تعلیم سے بہرور نہ تھے تاہم ان کے ذہن میں اسلامی حکومت کا تصور موجود تھا جس کا اظہار انہوں نے بار بار یہ کہہ کر کیا کہ یہاں "اسلامی جمہوریت" رائج کی جائے گی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس وقت تک اگرچہ جدید جمہوریت کی ایجاد کے اصل مقاصد دنیا کے سامنے نہ آئے تھے' بایں ہمہ بالغ نظر لوگوں کو اس کی تہ میں چھپی ہوئی خرابیوں کا یک گونہ احساس ضرور تھا۔ یہی سبب تھا کہ قائداعظم نے اس جمہوریت کو اسلام سے کچھ الگ چیز سمجھا اور اس کی جگہ اسلامی جمہوریت کی اصطلاح وضع کی۔ اور علامہ مرحوم نے تو بار بار اس نظام حکومت پر کھلی تنقید کی۔

حصول پاکستان کی جدوجہد میں اور بعد ازاں پاکستان کی ابتدائی حکومت میں وہ رہنما بھی شامل تھے جن کے ذہنوں میں اسلامی جمہوریت یا کسی بھی اور طرح کی اسلامی طرز حکومت کا کوئی تصور موجود نہ تھا اور بدقسمتی یہ ہوئی کہ آہستہ آہستہ پہلی قسم کا رہنما طبقہ ختم ہوتا گیا لیکن دوسری قسم کے رہنماؤں میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ بہت جلد حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر انہی ہاتھوں میں آگئی جو مغربی جدید نظریات کے زیر اثر تھے وہ پوری طرح برین واش ہوچکے تھے جس کے نتیجے میں جدید جمہوریت کی جڑیں ملک میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئیں۔ آئیے ذرا ان عوامل کا جائزہ لیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ ہم نے جدید جمہوریت کو استقلال کیوں بخشا؟ اور ابھی تک اس سے خلاصی کیوں نہیں ہوسکی؟

جدید جمہوریت کی جڑیں راسخ کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ ہمارے سیاستدانوں کا ہے یہ طبقہ قیام پاکستان سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا انگریزی دور ہی میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے سیاست میں اس لئے حصہ لینا شروع کردیا تھا کہ غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ ان کا شخصی وقار بھی قائم رہے۔ اگرچہ اس وقت وہ رہنما زیادہ تر وقیع و محترم تھے جو ملک کی آزادی کے لئے کوشاں رہتے تھے لیکن یہ طبقہ اپنی جگہ بہرحال موجود تھا۔ خصوصاً اس لئے کہ یہ لوگ اپنے اثر و رسوخ اور دولت کے بل بوتے پر انتخابات میں ووٹ حاصل کرلینے میں کامیاب ہوجاتے تھے اور اسمبلی کے ممبران اور وزراء کا بہرحال حکومت میں ایک مقام ہوتا تھا اور لوگوں کو ان سے کام رہتا تھا۔ جب پاکستان کے لئے بھرپور جدوجہد شروع ہوئی اور نظر آنے لگا کہ یہ نئی مملکت بن کر ہی رہے گی کیونکہ عوام نے جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونا شروع کردیا تھا تو اس طبقہ کو اپنی چودھراہٹ قائم رکھنے کا یہی طریقہ بہتر نظر آیا کہ اپنی کشتیاں بھی اسی سیلاب کے رخ پر موڑ دیں چنانچہ ان کی اکثریت مسلم لیگ میں شامل ہوگئی۔

اس وقت مسلم لیگ اس پوزیشن میں نہ تھی کہ نئے ارکان اور رہنماؤں کی چھان پھٹک کا موقع ہوتا اسے بیک وقت انگریزی حکومت کی عیاریوں اور ہندو قوم کی مکاریوں کا مقابلہ کرنا تھا۔ ایسے وقت میں اسے دور دراز کے علاقوں کے ایک ناخواندہ ووٹر کی بھی ضرورت تھی اور علاقائی رہنماؤں کی بھی حاجت تھی۔ اگر نوواردوں کے خیالات اور سیاسی کردار کی تحقیق شروع ہوجاتی تو

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

جادو وہ جو سرچڑھ کر بولے

خلافت عثمانیہ میں یہودیوں

اور عیسائیوں کے شب و روز

دشمنوں کو بھی گواہی دینی پڑی کہ اکثر مسلمان حکمران غیر متعصب تھے

ترجمہ و تلخیص: سردار اعوان

آخری اسلامی ریاست، خلافت عثمانیہ اپنے دور کی ایک مثالی ریاست تھی۔ خاص کر سلطان سلیمان کا وہ عظیم الشان دور، جس سے اس وقت کی ملکہ الزبتھ اول، ہنری ہشتم، چارلس پنجم اور فرانس اول جیسے یورپی حکمران اتنے خوف زدہ تھے کہ کبھی مقابلہ کی جرات نہ کی۔ "اوگر گسلین ڈی بسبیق (Ogier Ghiselin de Bu-sbeeq) نے جو ۱۵۵۴ء سے ۱۵۶۲ء تک قسطنطنیہ (استنبول) میں یورپی سفیر تھا۔ یہ کیفیت اپنے خطوط میں یوں بیان کی ہے۔

"ہمارا سامنا سلیمان جیسے حریف سے ہے۔ جو زبردست قوت کا مالک بن چکا ہے دو لاکھ گھوڑے اس کے پاس ہیں ہنگری کو روندتا ہوا آسٹریا تک آ پہنچا ہے۔ جرمنی کا بچا کھچا حصہ اس سے خطرے میں ہے۔ یورپ سے فارس تک تمام قومیں اس کے لشکر میں شامل ہیں وہاں کے بادشاہوں کی تمام دولت، اس کی فوج کو حاصل ہے۔ گویا دنیا کے تینوں کے تینوں خطے ہمیں تہس نہس کرنے کے لئے کمربستہ ہیں۔ وہ گولی کی طرح حملہ آور ہو کر رزہ پیدا کر دیتا ہے اور راستہ میں آنے والی ہر شئے نیست و نابود کر جاتا ہے۔ اس کی فوج اعلیٰ تربیت یافتہ اور چاک و چوبند ہے۔ پوری دنیا اس کے نام سے کانپتی ہے وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح ہماری سرحدوں پر دھاڑ رہا ہے۔ کبھی اس جگہ کبھی اس جگہ اور اندر گھسنے کی تاک میں ہے۔

سلطنت عثمانیہ کو فوجی لحاظ سے ہی نہیں مذہبی رواداری میں بھی غیر معمولی برتری حاصل تھی۔

"اس وقت جبکہ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں لگے ہوئے تھے۔ اور یہودیوں کا ایک کے بعد دوسری عیسائی ریاست میں پیچھا کیا جا رہا تھا۔ سلطان کی رعایا کو آزادی حاصل تھی کہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کریں"

ہسپانیہ کے لئے ۱۴۹۲ء خصوصی اہمیت رکھتا ہے جب کرسٹوفر کولمبس نے نئی دنیا تلاش کرنے کے لئے مغرب کا بحری سفر اختیار کیا۔ اسی سال سپین سے مسلمانوں اور یہودیوں کو بے دخل کیا گیا۔ سلطنت عثمانیہ میں یہودیوں کی آمد کے بارے میں سِسل روتھ (Ceeil Roth) کی کتاب "The House of Nasi : Dona Gracia" میں لکھا ہے۔

سوائے ایک آدھ، عیسائی نام کی پوری دنیا پناہ گزینوں کے لئے بند تھی۔ صرف مسلم دنیا------ کھلی تھی۔ غیر مسلموں کو صرف افریقہ میں جانے کی اجازت تھی۔ جب کہ ترکی میں ان کا باقاعدہ خیر مقدم کیا جاتا۔ سپین سے یہودیوں کو ملک بدر کرنے پر وہاں کے کیتھولک بادشاہ فرڈیننڈ کے بارے میں سلطان بایزید دوم کا کہنا تھا "فرڈیننڈ کو کون عقل مند کہے گا جس نے اپنی ملکیت خالی کر کے ہمیں مالا مال کر دیا لہٰذا سلطان نے کھلے دل سے یہودیوں کو قبول کیا۔

فاتح قسطنطنیہ (استنبول) محمد نے اسے اسلام کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے لئے بھی کھول دیا۔ اور انہیں اپنے پرانے گھروں میں واپس آکر دوبارہ اپنی عبادت گاہیں اور سکول کھولنے کی دعوت دی۔ اور کاروبار کرنے کی سہولت دی۔ ایلیجاہ کپسالی (Elijah Capsali) کو جن کا تعلق جزیرہ "کریٹ" (Candia) کے ایک قدیم اور نامی گرامی خاندان سے تھا۔ یہودیوں کا مذہبی راہنما نامزد کیا اور دیوان شاہی پر مفتی کے برابر نشست دی۔ جس کی اس سے قبل تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس حسن سلوک کے نتیجہ میں تمام مغربی یورپ سے یہودی یہاں آنے لگے۔ "صلیب تلے ظلم کی انتہا ہو گئی تو روشن طلائی ہلال کے زیر سایہ ایک نئی خوشنما دنیا نے انہیں خوش آمدید کہا"

انہیں سرزمین اسلام پر ہر طرح کے مواقع میسر تھے، سلطان نے "سلانکا" (Salanca) کے ماہرین طب کو بلوا کر ملازمتیں دیں۔ اکثر مقامات پر شیشہ سازی اور دھاتوں کے کام میں یہودیوں کی اجارہ داری تھی۔ اور وہ غیر ملکی زبانیں بھی جانتے تھے جس کی وجہ سے وینس (Venice) کے علاقہ میں ان کے ذریعہ تجارت کو فروغ حاصل ہوا۔

قسطنطنیہ (استنبول) میں ۱۴۵۳ء میں اسلام داخل ہوا تو سلطان "محمد دوم" نے یونانی چرچ کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے لی۔ جس کی رو سے عیسائیوں پر ظلم و تشدد ممنوع تھا ایک فرمان کے ذریعہ قبائلی سرداروں اور مذہبی راہنماؤں کے لئے وہ مراعات برقرار رکھی گئیں جو انہیں سابقہ حکومت میں حاصل تھیں، اور سلطان نے سرکردہ مذہبی راہنماؤں کو اپنے ہاتھ سے لاٹ پادری کا

عصا عنایت کیا۔ انہیں عزت و احترام کے ساتھ عیسائیوں کے باہمی مقدمات کے فیصلے کرنے کا اختیار دیا جس کا ٹی۔ ڈبلیو۔ آملڈ (T.W Arnold) نے اپنی کتاب 'تبلیغ اسلام (Preaching of Islam) میں بھی ذکر کیا ہے یعنی سرداران قبائل اور کلیساء کی مجلس اعلیٰ حکومتی مداخلت کے بغیر اپنے عقائد کے مطابق اپنے فیصلے کرتے جبکہ بازنطینی شہنشاہیت کے دور میں ایسا ممکن نہ تھا' قبائلی سرداروں کو اجازت تھی کہ کسی گورنر کی جانب سے ان پر کوئی زیادتی ہو تو سلطان کے علم میں لائیں' یونانی بشپ کو عیسائی آبادی پر وسیع اختیارات حاصل تھے اسلام میں پائی جانے والی فراخ دلی کے باعث عیسائی اپنے چرچ کے سربراہ کے زیر سرکردگی اپنے گروہ منظم کرسکتے تھے۔ اس طرح وہاں پر صحیح العقیدہ طبقہ 'گریگورین آرمینائی' رومن کیتھولک' پروٹسٹنٹ غرض ہر ایک کو اپنی رسومات ادا کرنے کی آزادی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بلکان' میں مسلمانوں کی ۵۰۰ سالہ حکومت کے باوجود عیسائیوں نے اپنا قومی تشخص برقرار رکھا۔

۔ سلیسیاء (Silesia) کے پروٹسٹنٹ بھی مسلمانوں کے زیر حکومت آزادی سے فیض یاب ہونے کے لئے ترکوں سے امیدیں لگائے ہوئے تھے۔ قدیم النسل کو سکس (Cossocks) ایک ہستی کے ماننے والے تھے' اور روسی چرچ کے زیر عتاب تھے۔ سلطان کی سلطنت میں آکر انہیں چین نصیب ہوا"

یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی زندگی میں کسی دوسرے عقیدہ کے ساتھ روا داری کے لئے کوئی گنجائش نہیں اور ان کا اپنا عقیدہ صرف مفاد پرستی تک محدود ہے یہی وجہ ہے کہ آج دونوں مل کر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں۔

"سلطنت کے یورپی صوبوں میں ترکوں پر یونانیوں کو عددی برتری حاصل تھی مگر مذہبی آزادی اور جان و مال کے تحفظ کے پیش نظر انہوں نے عیسائی حکومتوں کے مقابلہ میں سلطان کی حکمرانی میں رہنے کو ترجیح دی۔"

"بازنطینی شہنشاہوں نے جن بندر گاہوں میں یونانی تاجروں کا داخلہ بند کر رکھا تھا وہاں دوبارہ انہیں اجازت دیدی گئی ان تاجروں نے ترکوں کا لباس اور طور طریقہ اختیار کر لیا۔ اور عثمانیہ جھنڈے تلے بحری سفر کرتے۔ جس سے مغربی یورپ کے ممالک میں ان تاجروں کو وہ مقام و مرتبہ پھر سے حاصل ہوگیا جس سے یونانی چرچ کے ساتھ وابستگی کی بناء پر انہیں محروم ہونا پڑا تھا۔

"یونان ۲۰۰ سال سلطنت عثمانیہ کے زیر حکومت رہا' اس عرصہ میں وہاں کی عیسائی آبادی کو جو مراعات حاصل تھیں۔ یورپ میں اس کا کہیں تصور نہیں تھا۔ ہنگری اور ٹرانسلوینیا (Transylvania) میں رہنے والے کالون (Calvin) کے پیرو کاروں اور دوسرے پڑوسی ممالک میں ایک ہستی کو ماننے والے لوگوں نے ہیپسبرگ (Hapsburg) کے جنونیوں کی نسبت ترکوں کی اطاعت قبول کرنا کہیں زیادہ بہتر خیال کیا

تراشے

ایک خبر پر شائع ہونے والے ادارتی شذرات

لاٹ صاحب نے کہا' لاٹ صاحب نے نہیں کہا

سرکاری ترجمان نے جس کی اگلے روز تردید کردی

پنجاب میں امن و امان جس بری طرح پامال ہو رہا ہے' محتاج بیان نہیں۔ اخبارات ہولناک اور وحشیانہ جرائم کی رپورٹوں سے اٹے ہوئے ہیں اور اصلاح احوال کی کوئی صورت بھی نظر نہیں آتی۔ پچھلے دنوں گورنر پنجاب میاں محمد اظہر نے جرائم کی روک تھام میں ذاتی دلچسپی لی تو ہمارے درویش وزیراعلیٰ کی پیشانی پر بل پڑ گئے چنانچہ اب لاٹ صاحب اپنے کام سے کام رکھتے ہیں' دخل در معقولات نہیں کرتے۔ گذشتہ ہفتے ان سے منسوب ایک بیان اخبارات کی زینت بنا اور اگلے ہی روز لاہور سے شائع ہونے والے اردو کے تینوں قومی روز ناموں نے اس پر ادارتی شذرے لکھے لیکن سرکاری ترجمان کی طرف سے بیان کی تردید بھی اسی دن خبروں کا حصہ تھی۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی ---- لیکن ادارتی شذرات میں جو کچھ کہہ دیا گیا وہ نوشتہ دیوار ہے اور حالات کی جو تصویر سامنے آئی اسے مٹایا نہیں جا سکا ------ (ادارہ)

روزنامہ جنگ لاہور

○

گورنر پنجاب میاں محمد اظہر کا یہ کہنا کہ پنجاب میں امن و امان کی صورتحال انتہائی خراب ہو چکی ہے جسے کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ حالات کا ایک ایسا حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جس کی طرف وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو اب بلا تاخیر توجہ دینی چاہئے کیونکہ وہ چند روز قبل خود بھی پنجاب میں ڈکیتیوں اور چوری کی وارداتوں کے علاوہ بے

گناہ افراد کے قتل کے بڑھتے ہوئے واقعات پر اظہار تشویش کر چکے ہیں انہوں نے گورنر کو غیر سرکاری طور پر انتظامی اختیارات سنبھالنے کی پیشکش بھی کی جس پر شکریہ کے ساتھ گورنر نے اظہار معذرت کیا۔ اگر حکومت صرف لاہور میں ہونے والے جرائم پر ہی ایک نظر ڈالنے کی زحمت اٹھائے تو اسے صوبے میں لاقانونیت اور جرائم پیشہ افراد کی سرگرمیوں کا آسانی سے اندازہ ہو جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب پولیس اور خاص طور پر لاہور پولیس جرائم پر قابو تو کیا پائے گی اس نے شہریوں پر ایک عذاب نازل کر رکھا ہے اگلے روز لاہور کے فیکٹری ایریا میں پولیس تشدد سے ایک بے گناہ شہری ہلاک ہو گیا عوامی احتجاج پر دو کانسٹیبلوں کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا شادمان اور اقبال ٹاؤن میں ڈاکے کی وارداتوں میں ڈاکو لاکھوں کی نقدی اور زیورات لے اڑے۔ مومن پورہ میں ۵ ڈاکوؤں نے ایک ہی گلی میں دو گھروں کا صفایا کر دیا یہ واقعات اس وقت ہوئے جب وزیراعظم نواز شریف لاہور میں موجود تھے البتہ اس دوران ماڈل ٹاؤن پولیس نے ایک شخص کو اس کے دو بیٹوں سمیت اٹھا لیا لیکن متعلقہ پولیس واقعہ سے لاعلمی کا اظہار کرتی رہی۔ کوئی دن خالی جاتا ہے جب لاہور میں ڈکیتی یا چوری کی سنگین وارداتیں نہیں ہوتیں ایمرجنسی پولیس سکواڈ محض مٹرگشت پولیس ثابت ہوئی ہے۔ عوام بدترین عدم تحفظ کا شکار ہیں جرائم پیشہ افراد کی سرپرستی پولیس کا معمول بن گیا ہے۔ مصری شاہ میں ہیروئن فروشوں کی حمایت پر پولیس کے خلاف عوام کا شدید رد عمل بھی اعلیٰ حکام کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے وزراء کرام کو بیان بازیوں سے فرصت نہیں اپنے محکموں اور عوام کی مشکلات کا جائزہ کون لے گا؟ گورنر پنجاب نے درست کہا ہے کہ پولیس مقابلوں سے جرائم ختم نہیں ہوں گے اس لئے کہ اکثر مقابلے جعلی ہوتے ہیں اور اگر پولیس کو فریق مخالف کی طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے تو وہ دامن بچانے میں ہی عافیت سمجھتی ہے اصل، مقابلہ میں مجرموں کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ گورنر نے ایماندار اور فرض شناس افسروں کی بے قدری کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ ارباب حکومت کی خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ چہیتے اور منہ لگے لیکن نااہل اور بددیانت افسران کو کسی فورس پر مسلط کرنے کا مطلب اسے بے اثر بنا دینا ہے۔

○

روزنامہ نوائے وقت لاہور

○

گورنر پنجاب میاں محمد اظہر نے کہا ہے کہ پنجاب میں امن و امان کی صورت حال انتہائی خراب ہو چکی ہے جس کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ پولیس مقابلوں سے جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں۔ ایماندار اور فرض شناس افسر کھڈے لائن لگے ہوئے ہیں۔ گورنر پنجاب نے پچھلے پندرھواڑے میں کم از کم تیسری مرتبہ اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امن و امان کی صورت حال کو قابو میں رکھنا میرا نہیں وزیراعلیٰ کا کام ہے اور وہ دن رات کوشاں ہیں۔ اس مسلسل وضاحت سے لوگوں کو یہ تو بہرحال پتہ چل سکتا ہے کہ چندہ ماہ قبل گورنر پنجاب نے امن و امان کا غیر رسمی طور پر جو چارج سنبھالا تھا' وہ وزیراعلیٰ کے احتجاج کے پیش نظر واپس کر دیا ہے تاہم یہ واضح نہیں ہے کہ صوبائی حکومت نے اپنا فرض منصبی نبھانے کے لئے کیا منصوبہ بندی کی ہے۔ گورنر پنجاب کا یہ تبصرہ معنی خیز ہے کہ ایماندار اور فرض شناس افسر کھڈے لائن لگے ہوئے ہیں۔ صوبائی وزیراعلیٰ اور انسپکٹر جنرل پولیس کو اس کا فوری نوٹس لینا چاہئے اور ایماندار اور دیانتدار افسروں کو "کھڈے لائن" سے نکال کر فیلڈ میں لانا چاہئے تاکہ وہ امن و امان کی گرتی ہوئی صورت حال کو سنبھالا دے سکیں۔ صوبائی دارالحکومت میں پولیس کے شعبے میں کئی برس سے چند چہرے نظر آ رہے ہیں جن کی کارکردگی کا حال یہ ہے کہ لاہور شہر اب ڈاکوؤں کے راج میں ہے۔ تازہ ترین خبروں کے مطابق لاہور شہر میں ڈاکے' لوٹ مار اور قتل و غارت کے واقعات رونما ہوئے ہیں اور جو کسر رہ گئی تھی' وہ خود پولیس نے پوری کر دی ہے اور مبینہ طور پر ایک شخص کو مار مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ لاہور میں پولیس کے انچارج صاحبان کو خود بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے جو حکومت کے لئے بدنامی کا باعث بن رہے ہیں۔ صوبائی حکومت کو اپنی ساری توجہ امن و امان کو ٹھیک کرنے پر مرکوز کرنی چاہئے۔ مہذب حکومت کے طور پر یہ حکومت کا بنیادی فرض ہے جو اسے پورا کرنا چاہئے۔ صوبے کے شہریوں کی جان سخت عذاب میں ہے۔

○

روزنامہ پاکستان لاہور

○

پنجاب کے گورنر میاں محمد اظہر نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طلبہ کی واک کے موقع پر صحافیوں سے غیر رسمی باتیں کرتے ہوئے پنجاب میں امن و امان کی صورتحال پر جو محاکمہ کیا' متعلقہ اداروں کو اس پر غور کرنا چاہئے اور اس کی روشنی میں اصلاح احوال کی کوئی موثر تدبیر کرنی چاہئے۔ گورنر نے کہا کہ دیانت دار اور فرض شناس پولیس افسر کھڈے لائن لگے ہوئے ہیں' پولیس افسروں کے تقرر اور تبادلے کے موقع پر ان کی ماہرانہ صلاحیتوں اور پیشہ وارانہ خدمات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے' امن و امان کی صورت حال روز بروز بگڑتی جا رہی ہے' اسے صحیح کرنے اور سنبھالنے میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ پولیس مقابلوں سے جرائم کا خاتمہ ممکن نہیں' اس لئے بھرپور کوشش کی ضرورت ہے' گورنر نے امان و امان کی صورتحال پر جس رائے کا اظہار کیا ہے' مختصر ضرور ہے لیکن جامع ہے اور اس میں ایک جہان معنی پنہاں ہے۔ حقائق کو من و عن تسلیم کئے بغیر اصلاح کی کوئی کوشش کبھی کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی' امن و امان قائم کرنے کے لئے لازم ہے کہ صوبے میں قانون کی عمل داری کا ناقابل شکست انتظام کیا جائے' قانون کی خلاف ورزی کے رجحان کو پنپنے نہ دیا جائے' جرائم پیشہ افراد پر نگاہ رکھی جائے' جرائم کے محرکات کو منقطع کرنے کے لئے حکومت اور معاشرہ باہم تعاون کرے اور جرم اور گناہ سے پاک معاشرت تشکیل دینے کے سبھی تقاضے پورے کرے' دیانت دار اور فرض شناس پولیس افسروں کو کیوں کھڈے لائن لگایا جاتا ہے؟ اس کی وضاحت ہو جاتی تو شاید اصلاح کی کوئی صورت نمایاں ہو سکتی' بہرحال تلخ اور ناگوار سہی' گورنر نے ایک حقیقت بیان کر دی ہے' انتظامیہ کو اس کے پیش نظر مناسب اصلاح کرنی چاہئے۔

'مسجد سے خطاب'

(خاص برائے ندائے خلافت)

مسجد کی اہمیت خلافت راشدہ میں یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ہی "دربار خلافت" بلکہ "ایوان خلافت" تھی ۔ افسوس کہ اللہ کے گھر کی وہ حیثیت بھی ہماری عظمت رفتہ کے ساتھ ہی قصہ ماضی ہوگئی لیکن خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے احیاء کے ساتھ خانہ خدا کی شان بھی لوٹ آئے گی اور مسجد مسلمان معاشرے کا وہ مرکز ہوگی جس کا خواب شاعر نے دیکھا ہے (ادارہ)

میں تیری عظمت گم گشتہ کو آواز دیتا ہوں
جہان نو کے ہاتھوں میں نیا ایک ساز دیتا ہوں

تری تعمیر میں مضمر ہیں آداب جہاں بانی
اخوت کی جہاں تابی محبت کی فراوانی

ترا ایوان اس ملت کا ایوان حکومت تھا
جلال منبر و محراب میزان عدالت تھا

یہاں اصحاب صفہ روزوشب تعلیم پاتے تھے
حصول علم و عرفان کے دیئے آکر جلائے تھے

دلوں کو کر دیا روشن یہاں نور نبوت نے
مسخر کر لیا دشمن کو ایماں کی حرارت نے

دیا ہے اسوۂ حسنہ نے ہم کو درس الفت کا
اخوت کا' عدالت کا ' مروت کا ' رفاقت کا

مگر افسوس نادانوں نے اب دنیا بدل ڈالی
بجائے الفت و رافت کے نفرت کی بنا ڈالی

یہاں رگ رگ میں واعظ نے سم قاتل اتارا ہے
خدا کے نیک بندوں کو جدائی پر ابھارا ہے

دلوں سے محو کر ڈالا ہے اسوہ خیر و برکت کا
جنازہ تیرے منبر سے نکالا ہے اخوت کا

دعا ہے قادر مطلق سے یہ اسرار روز و شب
عطا ہو قلب مومن کو وہی گم گشتہ تاب و تب

حکومت کے یہاں ایوان میں انداز خلافت ہو
دلوں سے مغربی جمہوریت کی دور لعنت ہو

دلوں کوایک پل میں تو بدل دیتا ہے قدرت سے
ہمارے بھی دلوں کو جوڑ دے اپنی عنایت سے

اسرار احمد سہاوری

بقیہ ناقابل اشاعت

کی علیحدگی کے اسباب و نتائج پر بادشاہ فیصل سے میں بات کر رہا تھا تو وہ اور اس کا چچا عبداللہ بن عبدالرحمٰن یہی کہہ کر رو دیا تھا "۔ پاکستان ملک خدا داد ہے اور اللہ نے ہمیں دھوکہ نہیں دیا بلکہ ہم خود اپنے رب کو دھوکہ دے کر خود فریبی کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔ پاکستان ملک خدا داد ہے اور جب تک ہماری نانجاریوں کے علی الرغم ہمیں اس کی عافیت میسر رہی' یہ ملک خدا داد ہی رہے گا۔ اس کے سوا مولانا کی سب باتیں بچی ہیں ' وہ بھی جو ہم نے خوف فساد خلق سے حذف کر دیں۔ (باقی باتی)

بقیہ فکر و نظر

تحریک پاکستان کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا لہٰذا صورت حال یہ تھی کہ ع

جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

اسی طرح وہی لوگ جو انگریزی حکومت کے ستونوں کا کردار ادا کرتے رہے تھے' اب قوم کے درد مند اور مخلص رہبروں کی حیثیت سے برسراقتدار گروہ میں شامل ہوگئے۔ اسی کیفیت کو سردار عبدالرب نشتر جیسے مخلص رہنما شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا تھا۔

نیرنگی سیاست دوراں تو دیکھئے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

قیام پاکستان سے پہلے اس جاگیردار اور سرمایہ دار سیاسی طبقے کو انگریزی حکومت کی طرف سے مناسب تعاون ملتا تھا۔ یہ حکومت کی مدد کرتے اور حکومت ان کے رعب و دبدبہ کو عوام میں بحال رکھتی تھی۔ چنانچہ پاکستان بن جانے کے بعد ان لوگوں کو جمہوری نظام ہی میں اپنی بقاء دکھائی دیتی تھی جبکہ دینی حکومت ان کی سیاسی موت کا پروانہ ثابت ہوتی۔ کیونکہ جمہوریت میں وہ اپنے غریب مزارعین اور کارندوں پر کچھ دباؤ ڈال کر اور کچھ روپیہ خرچ کر کے ووٹ حاصل کرسکتے تھے اور اس طرح اپنے جاگیردارانہ اثر و رسوخ اور سرمائے کی طاقت سے اپنا اقتدار قائم رکھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں اس طبقہ کا معاشرتی نظام یہ ہے کہ جو بچہ بہتر تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ افسر نہ بن پائے وہ سیاست کے میدان کا شہسوار بن جاتا ہے کیونکہ پاکستان میں سیاست وہ واحد پیشہ ہے جس کے لئے نہ کسی تعلیمی ادارے کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے نہ کسی تربیتی درس گاہ سے فارغ التحصیل ہونا لازم ہے۔ ضرورت صرف دولت کی ہے جس سے اپنے اشتہارات شائع کرائے جاسکیں یا ووٹر اور سپورٹر خریدے جاسکیں۔ یوں ان کے لئے ایم پی اے یا ایم این اے ہونے کی راہ ہموار ہوسکتی تھی پھر اگر قسمت ساتھ دے اور اسمبلی میں ایک چھوٹا سا گروپ بنانے میں کامیابی ہوجائے تو وزارت لازم ہوجاتی ہے۔ ---

(جاری ہے)

تحریک خلافت پاکستان

چوتھا سبق
قرآن حکیم سے وابستگی

قرآن مجید الہامی کتابوں میں سے وہ واحد آخری اور جامع ترین کتاب ہے جس کے متن کی قیامت تک حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لیا ہے اس کتاب کا اصل موضوع تمام انسانوں کے لئے انفرادی و اجتماعی سطحوں پر فکری و عملی ہدایت و رہنمائی فراہم کرنا ہے۔ قرآن مجید کوئی عام کتاب نہیں ہے بلکہ یہ قول فیصل بن کر نازل ہوا ہے۔ اس سے تعلق کی نوعیت کی بنیاد پر قوموں کے عروج و زوال کے فیصلے ہوتے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

> اللہ بہت سی قوموں کو اس کتاب (قرآن مجید) (کے ساتھ صحیح بنیادوں پر تعلق استوار کرنے پر) غلبہ و عروج عطا فرمائے گا اور (اس سے روگردانی اور غفلت کے جرم میں) بعض قوموں کو ذلیل و رسوا کردے گا۔

ہمیں آج کے اس سبق میں اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے تعلق کا جائزہ لینا ہے۔

کیا ہم قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ہو تو الحمد للہ تاہم مزید بہتر ہوگا کہ کسی قاری صاحب سے بھی اس کی تصدیق کروالی جائے --- لیکن اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہو تو پھر پہلی فرصت میں اس عظیم کمی کی تلافی کرنے کے لئے خصوصی انتظام کیجئے ---- یہ کسی شخص کی کتنی بڑی بد نصیبی ہوگی کہ وہ اپنے خالق و مالک کے اپنے نام پیغام کو صحیح طور پر پڑھنے سے بھی قاصر ہو۔ درانحالیکہ دوسرے دنیوی علوم و فنون میں مہارت رکھتا ہو۔

قرآن مجید روح انسانی کے لئے غذا کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں ہم اپنے فانی مادی جسم کی بقا اور قوت کے لئے مادی غذا کا اہتمام کرنے میں دن رات ایک کردیتے ہیں وہاں ہمیں اپنے روحانی وجود کی تقویت اور سلامتی کے لئے اس کی روحانی غذا ' قرآن مجید ' کی تلاوت کا بھی باقاعدہ اہتمام کرنا چاہیے۔

بالخصوص رمضان المبارک تو ہے ہی قرآن حکیم کے ساتھ تجدید تعلق کا مہینہ۔

صحابہ کرامؓ کا معمول تھا کہ ایک ہفتے میں پورے قرآن حکیم کی تلاوت مکمل کرلیتے تھے۔ اسی لئے قرآن کو سات احزاب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعد میں امت میں قرآن سے تعلق میں کمی کے باعث علماء نے قرآن مجید کو تیس پاروں میں تقسیم کردیا تاکہ ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے قرآن کی تلاوت مکمل کرلی جائے ---

آپ بھی اس ٹارگٹ کو سامنے رکھیے۔ اگر ہفتے میں نہیں تو مہینے میں تو ضرور قرآن مجید کی تلاوت کا ایک دور مکمل کرلیا جائے۔ اس کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ پاروں کے نمبر کو مہینے کی تاریخوں سے منسلک کرلیا جائے۔ یعنی یکم تاریخ کو پہلا پارہ دو کو دوسرا اور اسی طرح تیس تاریخ کو تیسواں پارہ۔ اور کوشش کی جائے کہ ہر تاریخ کو مطلوبہ پارہ ضرور پڑھ لیا جائے۔ اور اگلے روز پر موخر نہ کیا جائے بعض استثنائی صورتوں میں نصاب میں کمی بھی کی جاسکتی ہے لیکن جو بھی روزانہ کا نصاب مقرر کریں اس پر حتیٰ الامکان پابندی سے عمل کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

> تم میں وہ لوگ سب سے اچھے ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں۔

بقیہ ہم اگر عرض کریں گے

کرایا۔ اور ہم تو نہیں کہتے لیکن کہنے والوں کی زبان پکڑی بھی نہیں جاتی کہ چند روزہ وفاقی وزارت بھی محترم مولانا کو بڑی امنگوں آرزوؤں کی پذیرائی کے نتیجے میں بڑی ہی اللہ آمین کے بعد ملی تھی۔۔

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

کیا ہی اچھا ہو کہ مولانا سید وصی مظہر ندوی ذرا رواداری سے کام لیں۔ انہوں نے خلافت کی بات کی اور ڈاکٹر اسرار احمد اس سراپا رحمت نظام ہی کے لئے شب و روز جسم و جاں اور قلب و ذہن کی پوری صلاحیتیں اور اپنی چھوٹی سی لیکن منظم جماعت کی سب توانائیاں کھپا رہے ہیں۔ ہاں ' ابلاغ عامہ کے لئے انہیں ساری بات کھول کر بیان کرنی پڑتی ہے۔ وہ عام جلسوں کو مخاطب کرتے ہیں ' اہل دانش کے فورموں اور بار ایسوسی ایشنوں جیسے اداروں کے سامنے نظام خلافت کا مقدمہ لے کر جاتے ہیں اور پریس کا سامنا کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ گول مول اور مبہم باتوں سے سامعین کی تسلی نہیں کراسکتے۔ ان کی یہ تفصیلی باتیں غور سے سنئے ' غلط کہیں تو نام لے کر ٹوکنا آپ پہ "واجب" ہے لیکن اس کا مقصد واضح طور پر اصلاح ہونا چاہیے ' محض پھبتی کسنا نہیں --- اور نام لئے بغیر ملاحیاں سنانا تو اللہ والوں کو زیب ہی نہیں دیتا۔ ○○